جامعہ دارالتقویٰ لاہور کا ترجمان

ماہنامہ

دارالتقویٰ لاہور

شوال/ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ -- جولائی 2019ء

کامیاب استاد بننے کے بیس رہنما اصول

حج بیت اللہ۔ شرائط، اقسام اور ادائیگی کا طریقہ

حج سے متعلق کچھ غلط فہمیوں کا مطالعہ

حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال

23 جون بروز اتوار
صبح 10 تا 3 بجے
جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور
0321-7771130

30 جون بروز اتوار
صبح 10 تا 3 بجے
جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور
0321-7771130

7 جولائی بروز اتوار
صبح 10 تا ظہر
جامع مسجد خاتونِ جنت بلمقابل گورمے بیکری شہباز روڈ قصور
0332-2133780

7 جولائی بروز اتوار
ظہر تا عصر
D/272 پی اے ایف کالونی ضرار شہید روڈ صدر کینٹ لاہور
042-36666444

14 جولائی بروز اتوار
صبح 10:30 تا 1 بجے
مدرسہ فاطمۃ الزہراء للبنات 70 سول لائن انور روڈ نزد سٹی سکول شیخوپورہ
0300-4911925

14 جولائی بروز اتوار
ظہر تا عصر
جامع مسجد ابوبکر اے بلاک ازمیر ٹاؤن لاہور
0321-3867149

ترجمان جامعہ دارالتقویٰ لاہور

ماہنامہ

دارالتقویٰ

لاہور

شوال/ذوالقعدہ ۱۴۴۰ھ -- جولائی 2019ء

جلد نمبر 8 شمارہ نمبر 10

مدیر

حضرت مولانا اویس احمد صاحب

مدیر مسئول مولانا عبدالودود ربانی

مجلس ادارت

مفتی محمد اسامہ

مولانا ذوالکفل

زیر سرپرستی

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مدظلہ

حضرت مولانا یوسف خان صاحب مدظلہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا عثمان صاحب

حضرت مولانا عامر رشید صاحب

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب

اس دائرے میں سرخ نشان

مدت خریداری کے ختم ہونے کی علامت ہے

خط و کتابت کا پتہ

دفتر ماہنامہ دارالتقویٰ

متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فون نمبر: 042-35967905

0321-7771130

Email Address

monthlydarultaqwa@gmail.com

فی شمارہ: ۳۰ روپے

سالانہ بدل خرچ: ۳۵۰ روپے

سالانہ رسالے کے اجراء کے لیے مذکورہ پتہ پر منی آرڈر کریں

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس

مقام اشاعت: متصل جامع مسجد الہلال چوبرجی پارک لاہور

فہرست

اداریہ	☆☆☆☆☆☆	
ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ بھی ہم سے جدا ہو گئے	مدیر مسؤل	5
درس قرآن وحدیث	☆☆☆☆☆☆	
قرآن کی حفاظت کے لئے اللہ کا حیرت انگیز انتظام	مولانا حذیفہ دستانوی	8
علم دین سیکھنے سکھانے والوں کا مقام ومرتبہ	مولانا محمد منظور نعمانیؒ	14
مقالات ومضامین	☆☆☆☆☆☆	
تاریخ میں دینی مدارس کی ابتداء اور ارتقاء	مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ جان	19
حج سے متعلق کچھ غلط فہمیوں کا مطالعہ	مفتی محمد تقی عثمانی	29
کامیاب استاد بننے کے بیس رہنما اصول	پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف خان	33
حج بیت اللہ۔۔شرائط، اقسام اور ادائیگی کا طریقہ	حافظ محمد زاہد	39
قربانی کا معنی ومفہوم اور مختصر تاریخ	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی	50
حضرت ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا سانحۂ ارتحال	محمد حاطب وحید	59
متفرق مسائل اور ان کا حل	دارالافتاء والتحقیق	62
جامعہ کے شب وروز	عبدالودود ربانی	65

حرف اولیں

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ بھی ہم سے جدا ہو گئے!

جامعہ دارالتقویٰ لاہور کے رئیس دارالافتاء اور جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے سابق مفتی محقق العصر، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ۱۸ شوال ۱۴۴۰ھ بمطابق 22 جون 2019 بروز ہفتہ بوقت ظہر قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) آپ کچھ عرصہ سے علیل تھے۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے صاحبزادے مفتی عبداللہ صاحب نے پڑھائی۔ بعد ازاں میانی صاحب قبرستان لاہور میں غازی علم الدین شہید کے مقبرہ کے قریب آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ آپ کے جنازے میں ملک کے نامور علماء کرام، مشائخ عظام، طلبہ اور مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ آپ کے پسماندگان میں اہلیہ، دو بیٹے اور چار بیٹیاں شامل ہیں۔

حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ یکم جنوری 1950 بمطابق ۱۲ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے 1973ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے ایم بی بی ایس کیا، اسی دوران اپنی محنت اور شوق سے قرآن پاک بھی حفظ کیا۔ بعد ازاں آپ نے جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے تجوید وقرآءت، درس نظامی اور تخصص فی الافتاء کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حامد میاں صاحبؒ خلف حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ فاضل دیوبند)، حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوریؒ (فاضل دیوبند وتلمیذ حضرت مدنیؒ)، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحبؒ (فاضل ندوۃ العلماء لکھنوء) اور فخر اہلسنت حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحبؒ (فرزند مفتی عبدالحمید سیتاپوریؒ) شامل تھے۔ آپؒ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحبؒ خلیفہ ومجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ، حضرت سید نفیس

الحسینی صاحبؒ خلیفہ ومجاز حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری صاحبؒ سے بیعت تھے۔حضرت سید نفیس شاہ صاحبؒ سے آپ کو تصوف کے سلاسل اربعہ میں اور بالخصوص سلسلۂ سید احمد شہیدؒ میں اجازت حاصل تھی۔

حضرت مفتی صاحبؒ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے،باری تعالیٰ نے آپ میں گونا گوں صفات ودیعت فرمائی تھیں،آپ بیک وقت حافظ،قاری،عالم،مفتی اور ایم بی بی ایس ڈاکٹر تھے۔زہد وتقویٰ،اخلاص و للّٰہیت اور اتباعِ سنت کے پیکر تھے۔حلم و وقار اور سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی،آپ کی شخصیت تواضع و عاجزی کا نمونہ تھی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحقیق وجستجو کا وافر ملکہ عطا فرمایا تھا،آپ جہاں عظیم مفتی اور محقق تھے وہیں کہنہ مشق مدرس اور درجنوں کتابوں کے مصنف بھی تھے۔علمی نہاد،درسی استعداد،وسیع مطالعہ،علم میں گہرائی وگیرائی آپ کا امتیازی وصف تھا۔آپ کو تدریس سے قلبی لگاؤ تھا،باوجود شدید علالت کے اخیر عمر تک درس و تدریس کے مبارک مشغلے سے وابستہ رہے۔آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد دنیا بھر میں آپ کے فیوضِ علم،تحقیقی تسلسل،اشتغال بالحدیث اور فروغ علم کے مشن کو آگے بڑھا رہی ہے۔

آپ نے 1983ء میں فراغت کے بعد جامعہ مدنیہ میں ہی تدریس اور فتویٰ کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور بیس سال تک یہ ذمہ داری ادا کرتے رہے۔دسمبر 2003 کو جامعہ دارالتقویٰ لاہور سے منسلک ہوئے اور زندگی کی آخری سانس تک اسی ادارے سے وابستہ رہے اور تدریس وفتوے کی ذمہ داری نبھائی۔آپ جامعہ ہذا کے شعبہ تخصص فی الفقہ و اصول فقہ،شعبہ اختصاص اور دارالافتاء کے رئیس تھے۔حضرت کا اندازِ فتویٰ اجتہادی شان کا حامل اور محققانہ تھا جس کے حامل کم مفتی حضرات ہوتے ہیں۔بعض پہلوؤں سے حضرت ڈاکٹر صاحب کی نظیر پورے برصغیر میں نہیں تھی۔

حضرت نے اپنے فتوے اور تدریس کے کام کے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے مفتی محمد رفیق صاحب کی نگرانی میں مفتی عبداللہ صاحب،مفتی شعیب احمد صاحب،مفتی عبدالرحمٰن صاحب اور مفتی ضیا صاحب پر مشتمل اپنے تلامذہ کی ایک جماعت تیار فرمائی اور وفات سے چند سال قبل اپنی صحت کے زمانے میں ہی فتویٰ وتدریس کے امور اس جماعت کے حوالے فرمادیئے اور اپنے اوقات کو تصنیفی وتالیفی منصوبہ جات کے لئے مختص فرمالیا۔حضرت کے انتقال کا سانحہ اس لحاظ سے حادثہ ہے کہ حضرت کے وجود مسعود کی حسی برکات نظروں سے اوجھل ہوگئیں لیکن حضرت کی توجہات،دعاؤں اور قائم فرمائی ہوئی ترتیب کی بدولت حضرت کے جاری فرمودہ کام بحمدللہ جاری و ساری ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کارہائے خیر کے فائدے کو عام و تام فرمائیں اور حضرت کے رفع درجات کا سبب بنائیں۔آمین

جہاں تک آپ کی تصانیف کا تعلق ہے ان میں سے چند نمایاں کتب مندرجہ ذیل ہیں۔

1-تفسیر فہم قرآن (3 جلد) 2-فہم حدیث (3 جلد) 3-مسائل بہشتی زیور (2 جلد) 4-اسلامی عقائد 5-اصول دین 6-تحفہ اصلاحی (امین احسن اصلاحی کے افکار پر غائرانہ نظر) ر 7-تحفہ غامدی (جاوید احمد غامدی کے افکار ونظریات پر آسان اور عام فہم انداز میں تبصرہ) 8-عمار خان کا نیا اسلام اور اس کی سرکوبی 9-مقام عبرت (عمار خان ناصر کے افکار سے متعلق) 10-تحفہ خیر خواہی (کیپٹن مسعود الدین عثمانی کے مغالطات کا جواب) 11-داستان عبرت (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے چند خلفاء کی داستان عبرت اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا دفاع) 12-ہدیہ فکر (تنظیم فکر ولی اللہی کی خدمت میں) 13-جواب نفیس (پروفیسر ظفر اللہ شفیق کی کتب کے جواب میں حضرت نفیس شاہ صاحب رحمہ اللہ کا دفاع) 14-ڈاکٹر اسرار احمد کے عقائد ونظریات 15-قرآن کو قرآن کے مطابق سمجھیں (منکرین حدیث کے جواب میں) 16-صفات متشابہات اور سلفی عقائد 17-مریض ومعالج کے اسلامی احکام 18-سبزی منڈی کی آڑھت کے احکام 19-جدید معاشی مسائل کی اسلامائزیشن کا جائزہ 20-اسلامی صکوک 21-مسنون حج وعمرہ 22-سونے چاندی کے زیورات کے اسلامی احکام 23-فقہ اسلامی 24-فقہی مضامین (41 مضامین کا مجموعہ) 25-دین کا کام کرنے والوں کے لیے ضروری باتیں۔

ادارہ جامعہ دارالتقویٰ کی انتظامیہ واراکین شوریٰ واساتذہ وطلباء حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات پر خود بھی گہرے دکھ اور صدمے سے دوچار ہیں اور بجا طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی وفات سے ادارہ بالخصوص اور امت مسلمہ بالعموم ایک گراں مایہ محقق، فقیہ اور ذی استعداد علمی شخصیت سے محروم ہوگئی ہے اور حضرت مفتی صاحبؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے شاید وہ کبھی پُر نہ ہو سکے۔ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی ہمہ جہت خدمات ان کے لئے ذخیرۂ آخرت اور بہترین صدقۂ جاریہ ہیں۔ ہم حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے لواحقین، پس ماندگان، اعزہ واقربا، ان کے ہزاروں شاگردوں اور معتقدین کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے درجات کو اپنی شان کے مطابق بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

مدیر مسئول

درسِ قرآن

از: (مولانا) حذیفہ وستانوی
استاذ: جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، نندوربار

قرآن کی حفاظت کے لیے اللہ کا حیرت انگیز انتظام

پہلا حصہ

۞ سورۃ الحجر.....۞...آیت نمبر 14/9...۞

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ o

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ" "ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے"۔ یہ پہلی وہ آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا، گویا اس کی حفاظت کے لیے یہ وعدہ الٰہی ہے اور قرآن کا اعلان ہے: "إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ" (سورۃ آل عمران: پ 3/9) اللہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بس اللہ نے اپنا یہ وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور کتاب اللہ کی حفاظت کا حیرت انگیز انتظام کیا۔ اس طور پر کہ اس کے الفاظ بھی محفوظ، اس کے معانی بھی محفوظ، اس کا رسم الخط بھی محفوظ، اس کی عملی صورت بھی محفوظ، اس کی زبان بھی محفوظ، اس کا ماحول بھی محفوظ، جس عظیم ہستی پر اس کا نزول ہوا اس کی سیرت بھی محفوظ، اور اس کے اولین مخاطبین کی زندگیاں بھی محفوظ۔

غرضیکہ اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کے لیے جتنے اسباب و وسائل اور طریقے ہو سکتے تھے، سب اختیار کئے، اور یوں یہ مقدس اور پاکیزہ کتاب ہر لحاظ اور ہر جانب سے مکمل محفوظ ہوگئی۔ الحمدللہ آج

چودہ سوانتیس سال گذرنے کے بعد بھی اس میں رتی برابر بھی تغیر وتبدل نہ ہوسکا، لاکھ کوششیں کی گئیں، مگر کوئی ایک کوشش بھی کامیاب اور کارگر ثابت نہ ہوسکی، اور نہ قیامت تک ہوسکتی ہے۔

کتاب الٰہی کی، کیسے حفاظت کی گئی؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات حدیث میں تحریر فرماتے ہیں" کتاب الٰہی کے تحفظ کے لیے اللہ رب العزت نے دس چیزوں کو تحفظ دیا، یہ دس چیزیں وہ ہیں، جو قرآن پاک کے تحفظ کی خاطر محفوظ کی گئی ہیں"۔

(1) قرآن کا متن

یعنی اس کے بعینہ وہ الفاظ جو اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے یا وحی کے کسی اور طریق سے نبی آخرالزماں ﷺ پر نازل کئے، آپ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی، تو آپ فوراً کاتبین وحی میں سے کسی سے کتابت کروالیتے، پھر صحابہ نبی کریم ﷺ کی زبانِ اقدس سے بھی اُسے سنتے، اور جو تحریر کیا ہوا ہوتا، اُسے بھی محفوظ کرلیتے، اس طرح 23/ سال تک قرآن، نزول کے وقت ہی لکھا جاتا رہا، صحابہ نے اسے حفظ بھی یاد کیا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے حفظ کی بڑی فضیلتیں بیان کی۔ ایک روایت کے مطابق صحابہ میں سب سے پہلے حفظِ قرآن مکمل کرنے والے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔

دورِ نبوی ﷺ کے بعد دورِ ابی بکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابہ کے مشورے سے اس کی تدوین عمل میں آئی، یعنی اس کو یکجا کرلیا گیا اور دورِ عثمانی میں اس کی تنسیخ عمل میں آئی، یعنی اس کے مختلف نسخے بنا کر کوفہ، بصرہ، شام، مکہ وغیرہ جہاں جہاں مسلمان آباد تھے بھیج دیے گئے، یہ تو تحریری صورت میں حفاظت کا انتظام ہوا، اس کے علاوہ اس کو لفظ بلفظ یاد کرنے کا التزام کیا گیا، وہ الگ۔ اس طرح قرآن سینہ و سفینہ دونوں میں مکمل لفظاً محفوظ ہوگیا، اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ آج بھی جاری ہے، قیامت تک جاری رہے گا، انشاءاللہ، اللھم اجعل القرآن ربیع قلوبنا و جلاء اعیننا۔

(2) جہاں اللہ رب العزت نے اس کے متن کی حفاظت کی، وہیں اس کے معنی ومفہوم اور مراد کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، اس لیے کہ صرف الفاظ کا محفوظ ہونا کافی نہیں تھا، کیوں کہ مراد اور معنی اگر محفوظ نہ ہو تو اس کی تحریف یقینی ہوجاتی ہے، کتب سابقہ کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا، کیوں کہ اس کے الفاظ اگرچہ کچھ نہ

کچھ محفوظ رہے، مگر اس کے معانی ومفہوم تو بالکل محفوظ نہ رہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے اقوال وافعال واعمال کو محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام نہ کیا، جس کے نتیجہ میں الفاظ محفوظہ بھی کارگر ثابت نہ ہوسکے، مثلاً عیسائی مذہب ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی، اور ہم اس کے علمبردار ہیں: نمبر ایک عدل وانصاف۔ نمبر دو محبت والفت۔ اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ عدل وانصاف کس کو کہتے ہیں، تو وہ اس کا مفہوم نہیں بیان کرسکتے۔ یہی حال محبت کا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عدل اور محبت کی پرواہ کیے بغیر لاکھوں نہیں، کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے فروغ کی خاطر قتل کردیا گیا، اور یہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں۔ اسی طرح یہودیت کی اصل بنیاد اس اصول پر ہے کہ تم اپنے پڑوسی کے لیے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرو۔ لیکن اگر آپ یہود کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں کو جتنا ستایا، اتنا دنیا میں کسی نے اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستایا ہوگا، اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، جو اسرائیل کی جارحیت سے عیاں ہے، مگر اسلام، الحمدللہ سنت نبوی کے پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رہنے کی وجہ سے، قرآن کی تعلیمات پر مکمل طور پر محفوظ چلا آرہا ہے۔ اس طرح اللہ نے سنتِ رسول (جس کو احادیث رسول ﷺ بھی کہا جاتا ہے) کے ذریعہ معانی ومفاہیم اور مراد الٰہی کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کی جو تفسیر کی، جسے "تفسیر بالماٰثور" کہا جاتا ہے، جس پر امام سیوطی، امام ابن کثیر وغیرہ، بے شمار علما نے تفسیریں لکھیں، اور ہر آیت کی تفسیر، حدیث رسول سے کرکے دکھائی، وہ درحقیقت اللہ ہی کی جانب سے ہے، کیوں کہ قرآن نے اعلان کیا ہے "ان علینا بیانہ" (سورۃ القیمۃ: پ 19/29) یعنی اس قرآن کی تفسیر بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ ایک جگہ پر "جمعہ وقرآنہ" ہے، ایک جگہ ارشاد ہے "وما ینطق عن الھویٰ ان ہو الا وحی یوحی" آپ ﷺ کوئی بات اپنے جی سے نہیں کرتے، بلکہ وحی خداوندی ہی ہوتی ہے۔ اسی کو کسی فارسی شاعر نے کہا:

گفتۂ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس پوری گفتگو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ "تفسیر بالماٰثور" درحقیقت اللہ ہی کی، کی ہوئی تفسیر ہے، اور ظاہر ہے اللہ ہی اپنی مراد کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کی حفاظت سے معانی ومراد خداوندی بھی محفوظ ہوگئے اللہ ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول پر مرمٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(3) قرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ، وہ جس زبان میں نازل ہوا، وہ زبان یعنی عربی زبان بھی محفوظ۔ اس کے لیے بھی اللہ نے عجیب انتظام کیا، اس طور پر کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "احبوا العرب لثلاث انی عربی، ولسان أہل الجنة عربی، والقرآن عربی" قرآن نے خود اعلان کیا "بلسان عربی مبین" (سورة الشعراء: پ159/19) ہم نے قرآن کو صاف ستھری عربی زبان میں نازل کیا۔ اگر آپ لسانیات کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا دنیا کی کوئی زبان تین چار سو سال سے زیادہ محفوظ نہ رہ سکی، یا تو وہ ختم ہوگئی یا کسی دوسری زبان میں ضم ہوگئی، یا ایسے تغیر وتبدل کا شکار ہوگئی کہ اس کی پہلی ہیئت باقی نہ رہ سکی، مگر عربی زبان مسلمانوں کی توجہ وعنایت کا ایسا شہکار ہے، جو بیان سے باہر ہے؛ اولاً خود نبی کریم ﷺ نے صحابہ رام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تربیت میں عربی زبان کی نوک پلک کی درستگی کو خوب اہمیت دی، آپ ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی اپنی توجہ کو اس پر مبذول کیا، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضي الله تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضي الله تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو نحو عربی وصرف عربی کی بنیاد ڈال کر اسے خاص توجہ کا مرکز بنایا، اور پھر آپ کے بعد اُمت کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اپنی زندگیاں اسی زبان کی حفاظت وترویج میں وقف کردیں، ابوالاسود الدُ ویلی، امام سیبویہ، امام خلیل فراہیدی، امام کسائی، امام فراء، امام مبرد، امام اخفش، امام یعصم، امام ثعلب، امام ثعلب، امام یشکر، امام ابن حاجب، امام ابن ہشام، امام ابن عقیل، امام ابن جنی، امام نفطویہ، امام زازویہ، امام خالویہ، امام راہویہ وغیرہ نے اپنی پوری زندگیاں صرف ونحو، علمِ بیان وغیرہ کی حفاظت کے لیے وقف کردیں، جس کی برکت سے آج بھی عربی زبان اسی اصل ہیئت پر باقی ہے، جس ہیئت پر وہ نزول قرآن کے وقت تھی اور قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے تک جب تک اس قرآن کو باقی رکھنے کی اللہ کی مشیت ہوگی، امت کی ایک جماعت اس کارِخیر میں مشغول رہے گی، انشاء اللہ۔

(4) صرف الفاظ ومعانی اور قرآنی زبان ہی کی حفاظت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بل کہ اس کے الفاظ و معانی کی عملی صورت کی حفاظت کا بھی پورا پورا انتظام کیا گیا، اس طور پر کہ قرآن جس لفظ میں نازل ہوتا، نبی کریم ﷺ اس کی مراد وحی کی روشنی میں صحابہ کو سمجھاتے، اور سمجھانے کے بعد اسکو عملاً بطور نمونہ کرکے بھی بتلاتے تھے، جسکو آج کی زبان میں تھیوری (Theory) کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل (Practical) کا بھی

اہتمام کیا جاتا، مثلاً نماز، قرآن نے صرف یہ الفاظ کہے "اقیموا الصلوۃ" (سورۃ البقرۃ: 43/1) نماز قائم کرو، مگر پورے قرآن میں کہیں اس کی پوری تفصیل بالترتیب نہیں بتائی گئی، ہاں کہیں قیام، کہیں رکوع، کہیں سجود کو متفرق طور پر بیان کیا گیا، جب کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا طریقہ بالترتیب صحابہ کو بتایا، اور پھر اس کو عملی طور پر کر کے دکھایا اور کہا "صلوا کما رأیتمونی اصلی" نماز ایسی ہی پڑھو جیسی مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ نے بھی بدستور اس پر عمل جاری رکھا، اور تابعین بھی انہیں جیسا کرتے رہے، گویا انہوں نے بھی ہو بہو ایسا ہی کیا، اس کے بعد تبعِ تابعین، اس طرح آج تک نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ امت کا اس پر تعامل اس طرح عملی صورت بھی محفوظ ہوگئی، یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ صلوۃ العید، صلوۃ الجنازۃ، زکوٰۃ، صدقہ، قربانی، تلاوت قرآن وغیرہ سب کی عملی صورت آج تک امت کے ذریعہ اللہ رب العزت نے محفوظ رکھی، اسی لیے جب کوئی قرآن کی تفسیر وتشریح میں من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اُمت میں اس کو تلقی بالقبول (مقبولیت) حاصل نہیں ہوتا، البتہ کچھ افراد جو مفاد پرست ہو یا ان کی اسلامی تربیت نہ ہوئی ہو، یا ضروری علم دین سے واقف نہ ہو، اس کے تابع ہو جاتے ہیں، اور ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی ہے عربی میں محاورہ مشہور ہے "لکل ساقطة لاقطة" ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کے مفاہیم ومرادوں کو بھی اللہ رب العزت نے تعامل کے ذریعہ محفوظ رکھا، یقیناً دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی مشیت کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لایعلمون(سورۃ یوسف:21/12)۔

(5) میرے عزیزو! قربان جایئے اس رب کائنات پر، جس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے ایسے ایسے انتظام کیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور انسان اس کی کرشمہ سازیوں پر سر دھنتا رہ جاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس ماحول میں قرآن کا نزول ہوا، جس سیاق وسباق میں آیتیں نازل ہوئی، اس ماحول کو بھی تحفظ اور دوام بخشا گیا، حدیث کے ذخیرے نے وہ پورا ماحول اس کی منظر کشی اور نقشہ کشی ہمارے سامنے رکھ دی، جب طالب حدیث اس کو پڑھتا ہے، تو اس کے سامنے چشم تصور میں وہ سارا منظر متشکل ہو کر آجاتا ہے، جس منظر میں قرآن کریم نازل ہوا، جس پس منظر اور پیش منظر میں، قرآن مقدس کے

احکام و ہدایات پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے، صاحبِ وحی رسول اللہ ﷺ کی حاضری اور موجودگی میں عمل درآمد شروع کیا، جس کو علم حدیث میں "حدیثِ مسلسل" کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ راوی نے حدیث کو جب نبی کریم ﷺ سے سنا یا دیکھا، تو اس وقت جو کیفیت تھی، راوی جس سے روایت بیان کرتا ہے، اس کے سامنے وہی انداز و اسلوب اختیار کرتا ہے، جس انداز سے اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو اخذ کیا ہو، اور وہ پوری کیفیت بعینہ کرکے دکھاتا ہے، جو نبی کریم ﷺ سے صادر ہوئی ہو، مثلاً "حدیث مسلسل بالتشبیک" اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گناہ اور توبہ کے وقت ایمان کی کیفیت کو بیان کیا کہ اگر بندہ گناہ کرتا ہے، تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو وہ دوبارہ دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو پروکر علیحدہ کیا اور کہا ایمان گناہ کے وقت اس طرح نکل جاتا ہے اور جب توبہ کرے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر پروکر (جس کو تشبیک الاصابع کہتے ہیں) بتایا پھر اس صحابی نے بھی اس روایت کو بیان کرکے، اسی طرح کرکے بتایا، اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے بظاہر ایسا کرنے سے کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا اگر نہ بھی کیا جاتا تو بات سمجھ میں آجائی گی، مگر اس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر انسان اس ماحول میں چلا جاتا ہے جس ماحول میں رسول اللہ ﷺ اس بات کو بیان فرمارہے تھے، مسجد نبوی میں یا جس مقام پر حضور اقدس ﷺ اس کو بیان فرمارہے تھے تو روحانی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں وہاں موجود ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے ذریعے دیکھتا چلا آرہا ہوں، بالکل اسی طرح کی کیفیت "اسباب نزول آیات" کے بولتے اور سنتے وقت ہوتی ہے۔

سبب نزول کہتے ہیں حدیث میں وارد اُن واقعات کو جو کسی آیت کے نزول کے وقت پیش آیا ہو، اس سے قرآن فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے، کیوں کہ جب آیت کا سبب نزول معلوم ہو جائے تو اس پر مرتب احکام کا درجہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، اگرچہ یہ ضروری بھی نہیں قرار کیا گیا کہ ہر آیت کا سبب نزول ہو، مستقلاً علما نے اس پر تصانیف چھوڑی، مثلاً امام جلال الدین سیوطی، امام واحدی وغیرہ نے۔

• • •

درسِ حدیث

مولانا محمد منظور نعمانیؒ

علم دین سیکھنے سکھانے والوں کا مقام و مرتبہ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مَیں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام ارشاد فرماتے تھے: ''جو بندہ (دین کا) علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عوض اُس کو جنت کے راستوں میں سے ایک راستے پر چلائے گا۔ اور (آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ) اللہ کے فرشتے طالبانِ علم کے لیے اظہار رضا (اور اکرام واحترام) کے طور پر اپنے بازو جھکا دیتے ہیں۔ اور (فرمایا کہ) علم دین کے حامل کے لیے آسمان و زمین کی ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی استدعا کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ دریا میں رہنے والی مچھلیاں بھی۔۔۔ اور (آپ علیہ السلام نے فرمایا) عبادت گزاروں کے مقابلے میں حاملینِ علم کو ایسی برتری حاصل ہے، جیسی کہ چودھویں کے چاند کو آسمان کے باقی ستاروں پر اور (یہ بھی فرمایا کہ) علما انبیا کے وارث ہیں۔ انبیا علیہم السلام نے دیناروں اور درہموں کا ترکہ نہیں چھوڑا، بلکہ انہوں نے اپنے ترکے میں صرف علم چھوڑا ہے۔ پس جس نے علم حاصل کرلیا، اس نے بہت بڑی کامیابی اور خوش بختی حاصل کرلی۔''

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

تشریح:

فی الواقع انبیا علیہم السلام کی میراث اُن کا لایا ہوا وہ علم ہی ہے، جو بندوں کی ہدایت کے لیے اللہ

تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا علم اس کائنات کی سب سے قیمتی دولت ہے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بازار کی طرف سے گزرے۔ لوگ اپنے کاروبار میں مشغول تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔؟ تم یہاں ہو اور مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ مسجد کی طرف دوڑے اور واپس آ کر کہا کہ وہاں تو کچھ بھی نہیں بٹ رہا۔ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں۔ کچھ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔ کچھ لوگ حلال وحرام کے شرعی احکام ومسائل کی باتیں کر رہے ہیں! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث اور آپ علیہ السلام کا ترکہ ہے۔ (جمع الفوائد، ج ۱، صفحہ ۳۷)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ علم کی طلب میں (گھر سے یا وطن سے) نکلا۔ وہ تب تک اللہ کے راستے میں ہے، جب تک واپس آئے۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے اور آسمان وزمین میں رہنے والی ساری مخلوقات۔۔۔ یہاں تک کہ چونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں بھی اس بندے کے لیے دعاے خیر کرتی ہیں، جو لوگوں کو بھلائی کی اور دین کی تعلیم دیتا ہے۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو مجلسوں پر ہوا، جو مسجد نبوی میں تھیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ دونوں خیر اور نیکی کی مبارک مجلسیں ہیں۔ (ایک مجلس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ) یہ لوگ اللہ سے دعا اور مناجات میں مشغول ہیں۔ اللہ چاہے تو عطا فرما دے اور چاہے تو عطا نہ فرمائے۔ (وہ مالک ومختار ہے) اور (دوسری مجلس کے بارے میں فرمایا کہ) یہ لوگ علم دین حاصل کرنے میں اور نہ جاننے والوں کو سکھانے میں لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کا درجہ بالاتر ہے اور مَیں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پھر آپ اُن کے پاس بیٹھ گئے۔ (مسند دارمی)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کو اس حالت میں موت آئے کہ وہ اس نیت سے علم دین حاصل کرنے میں لگا ہو کہ اُس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو جنت میں اس کے اور پیغمبروں کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔ (مسند دارمی)

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ایسے دو آدمیوں کے بارے میں دریافت کیا، جن میں سے ایک کا معمول یہ تھا کہ وہ فرض نماز پڑھتا، پھر بیٹھ کر لوگوں کو نیکی کی باتیں بتلاتا اور دین کی تعلیم دیتا۔ دوسرے صاحب کا یہ حال تھا کہ وہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو نوافل پڑھتے تھے۔ (آپ علیہ السلام سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ عالم۔۔۔ جو فرض نماز ادا کرتا ہے، پھر لوگوں کو دین اور نیکی کی باتیں سکھانے کے لیے بیٹھ جاتا ہے۔ اس کو دن بھر روزہ رکھنے اور رات کو نوافل پڑھنے والے عابد کے مقابلے میں اس طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح مجھے تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر فضیلت حاصل ہے۔ (مسند دارمی)

تشریح: مندرجہ بالا حدیثوں میں 'علم'۔۔۔ 'طلبہ'۔۔۔ 'علما' اور 'معلمین' کی جو غیر معمولی عظمت اور فضیلت بیان کی گئی ہے، ان کی وجہ یہی ہے کہ علم اللہ تعالیٰ کا نازل فرمایا ہوا نورِ ہدایت ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا ہے۔ دنیا سے آپ علیہ السلام کے اٹھا لیے جانے کے بعد آپ کے لائے ہوئے (قرآن وحدیث میں موجود) 'الٰہی علم' کو حاصل کرنے والے علما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ہستی کے قائم مقام ہے۔ وہ نبی تو نہیں ہیں، لیکن وارث انبیا ہونے کی حیثیت سے کارِ نبوت سنبھالے ہوئے ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کام انجام دے رہے ہیں۔ گویا آپ علیہ السلام کے دست و بازو ہیں۔ اسی خصوصیت نے ان کو اس مرتبے پر پہنچا دیا ہے۔ ان غیر معمولی خدائی انعامات کا مستحق بنا دیا ہے، جن کا مندرجہ بالا حدیثوں میں اعلان فرمایا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ آگے آنے والی متعدد حدیثوں سے معلوم ہوگا، اس مرتبے کو حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ علم دین کی طلب اور تعلیم صرف اور صرف اللہ کی رضا کی نیت سے ہو۔ اگر خدانخواستہ یہ دنیوی اغراض کے لیے ہو تو بدترین گناہ ہے۔ ایک صحیح حدیث کی صراحت کے مطابق ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ **اللھم احفظنا**

ایک ضروری وضاحت

یہاں اس سلسلے میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے۔ ہمارے اس زمانے میں دینی مدارس کی شکل میں علم دین کی تحصیل وتعلیم کا جو نظام قائم ہے، جب اس کی وجہ سے ہمارے دینی حلقوں میں ''طالب علم'' کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے ''طالب علموں'' ہی کی طرف جاتا ہے۔ اسی طرح عالمِ دین یا معلمِ دین کا لفظ سن کر ذہن۔۔۔ اصطلاحی اور عرفی علما اور دینی مدارس میں تعلیم دینے والے اساتذہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیثوں میں اور اسی طرح اس باب کی دوسری حدیثوں میں علم دین کی طلب وتعلیم یا طالبان علم دین اور معلمین دین کے جو فضائل ومناقب بیان ہوئے ہیں۔۔۔ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والے جن غیر معمولی انعامات کی بشارتیں دی گئی ہیں، ان سب کا مقصد ان مدارس ہی کے تعلیمی سلسلے کو اور ان کے طلبہ اور معلمین ہی کو سمجھ لیا جاتا ہے۔۔۔ حالانکہ جیسے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے عہد نبوی میں اور اس کے بعد صحابہ کرام، بلکہ تابعین کے دور میں بھی اس طرح کا کوئی تعلیمی اور تدریسی سلسلہ نہیں تھا۔ مدارس اور دارالعلوم تھے، نہ کتابیں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کا کوئی طبقہ تھا۔ بلکہ سرے سے کتابوں ہی کا وجود نہیں تھا۔ بس صحبت وسماع ہی تعلیم وتعلم کا ذریعہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (ان کے درجۂ اول کے علما وفقہا مثلاً خلفائے راشدین، معاذ بن جبل، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت وغیرہ نے بھی) جو کچھ حاصل کیا، صرف صحبت وسماع ہی کے ذریعہ حاصل کیا بلاشبہ وہ حضرات ان حدیثوں اور بشارتوں کے اولین مصداق تھے۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ آج بھی جو بندگان خدا کسی غیر رسمی طریقے مثلاً: صحبت وسماع ہی کے ذریعہ اخلاص کے ساتھ دین سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام کریں، وہ بھی یقیناً ان حدیثوں کے مصداق ہیں۔ بلاشبہ ان کے لیے بھی یہ سب بشارتیں ہیں۔ بلکہ ان کو اصطلاحی وعرفی طلبہ اور معلمین پر ایک فضیلت وفوقیت حاصل ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے موجودہ مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والے طلبہ اور اساتذہ کے سامنے اس طلب و تعلیم کے کچھ دنیوی منافع بھی ہو سکتے ہیں۔ (اور بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس لحاظ سے ہماری برادری کا کیا حال ہے) لیکن جو بے چارے اصلاح وارشاد کی مجالس یا کسی دینی حلقے میں اپنی دینی اصلاح اور دین سیکھنے کی نیت سے شریک ہوتے ہیں یا دین سیکھنے سکھانے والی کسی جماعت کے ساتھ اس مقصد سے کچھ وقت

گزارتے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ اس سے کسی دنیوی منفعت کی توقع نہیں کر سکتے۔اس لیے ان کی غیر رسمی ''طالب علمی'' یا ''معلمی'' بالکل بے ریا ہے۔ وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے ہوتی ہے۔ اللہ کے ہاں اسی عمل کی قدر و قیمت ہوتی ہے، جو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ اس عاجز نے اس زمانے میں بھی اللہ کے ایسے بندے دیکھے ہیں، اُن میں متعدد ایسے بھی ہیں، جن سے ہم جیسے لوگ (جن کو دنیا عالم فاضل سمجھتی ہے) حقیقتِ دین کا سبق لے سکتے ہیں۔

یہ وضاحت اس لیے ضروری سمجھی کہ ہمارے اس زمانے میں 'عالم' ۔۔۔ 'معلم' اور 'طالب علم' کے مصداق کے بارے میں مذکورہ بالا غلط فہمی اگرچہ غیر شعوری طور پر سہی، لیکن واقعۃ موجود ہے۔

• • •

سیلفی فتنہ!

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ، مولوی حضرات عوام الناس کو تصویر کا حرام ہونا بتاتے، لیکن ڈیجیٹل تصویر کے جواز کا سہارا لے کر خود اپنی سیلفیاں فیس بک پر ڈال رہے ہیں، حیرت ہے، مدرسے کے آٹھ دس سال بھی آپ کو فتوے اور تقوے کا فرق نہ سمجھا سکے، مولوی بھی اگر فتوے کی آڑ لے کر اپنی خود نمائی کرے گا تو تقوی کون اختیار کرے گا؟ کچھ کام بظاہر فتوے کے اعتبار سے جائز معلوم ہوتے ہیں لیکن مولوی کی شان اس سے بلند ہوتی ہے، یہ مولویوں کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنی نمائش کرتے پھریں، مفتی تقی عثمانی صاحب نے ایک بار ختم بخاری شریف کے موقع پر ابتدا میں ہی کیمرے یہ کہہ کر بند کروا دیئے کہ، یہ اس مبارک مجلس کے شایانِ شان نہیں، مفتی تقی عثمانی صاحب کے والد محترم، مفتی اعظم پاکستان مفتی شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے والد محترم مولانا یاسین صاحب رحمہ اللہ کا واقعہ نقل فرمایا، ایک بار فجر کی نماز کے وقت شدید بارش ہو رہی تھی، خود میں نے یعنی مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے گھر پر ہی نماز ادا کر لی اور والد صاحب رحمہ اللہ مسجد چلے گئے بارش میں، جب نماز پڑھ کر گھر واپس آئے تو فرمانے لگے، ہاں ہاں مفتی ہو ہمیں تو جواز کا فتوی سنا دو گے لیکن یہ تو بتاؤ کہ مولوی بھی فتوے پر عمل کرے گا تو تقوے پر عمل کون کرے گا؟ بعد میں معلوم ہوا کہ فجر کی نماز میں مؤذن کے سوا کوئی نہ تھا، اگر والد صاحب رحمہ اللہ بھی نہ جاتے تو مسجد میں جماعت ہی نہ ہوتی، میرے مولوی دوستوں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ، اپنی سیلفیوں کی تشہیر کے بجائے، مسلک اہل سنت والجماعت دیوبند کی تشہیر کریں، قدح صحابہ کا علاج مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کر کے دیں، تاکہ کچھ تو احسان صحابہ ادا ہو سکے۔

www.darultaqwa.org

مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ جان قاسمی
ڈائریکٹر مرکز تحقیق اسلامی، پشاور

تاریخ میں دینی مدارس کی ابتدا اور ارتقا

www.darultaqwa.org

مدرسہ کا مفہوم اور اس کی ابتدائی شکل

مدرسہ اگر اس معنی میں لیا جائے جس کی اپنی مستقل عمارت ہو، اساتذہ اور طلبہ ہوں اور ایک خاص تعلیمی نظام اور منصوبہ بندی کے تحت علوم وفنون کی تدریس ہوتی ہو، تو اس طرح کے مدرسہ کا وجود اسلام کے ابتدائی ادوار میں نہیں تھا اور مسجد ہی تمام مذہبی، علمی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز اور محور تھی۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ حصول علم کے طور طریقے بدلنے لگے۔ علم کے حلقے بڑھ گئے، درس وتدریس اور تکرار کا شور پیدا ہوا اور بحث ومناظروں کی صدائے بازگشت گونجنے لگی، چنانچہ ان چیزوں نے مساجد سے مدارس کو الگ کر دیا، کیونکہ مساجد میں ادا کی جانے والی عبادات کے لئے سکون واطمینان کی فضا ضروری تھی۔(۱)

مذکورہ بالا تعریف کے مطابق مدرسہ کا وجود اسلام میں سب سے پہلے اہل نیشاپور (ایران) کے ہاں عمل میں آیا جہاں نیشاپور کے علما نے "مدرسہ بیہقیہ" کی بنیاد رکھی تھی۔ نیشاپور میں اس کے علاوہ ایک مدرسہ سلطان محمود غزنوی نے، ایک اس کے بھائی نصر بن سبکتگین نے مدرسہ سعیدیہ کے نام سے قائم کیا تھا اور چوتھا مدرسہ امام ابن فورک (متوفی ۴۰۶ھ) کا وجود میں آیا تھا۔(۲)

یہ پانچویں صدی ہجری/ گیارہویں صدی عیسوی کی ابتدا تھی۔ اس زمانے میں ایک طرف کتب خانے منظم شکل میں سامنے آنا شروع ہوگئے تھے تو دوسری طرف مدارس تنظیمی و تعلیمی ڈھانچے سمیت وجود میں آگئے تھے گویا مدارس کا ایک جال پھیل گیا تھا جن میں سے بعض مشہور مدارس مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) مدرسہ نظامیہ، بغداد

اس مدرسہ کی نسبت اس کے بانی نظام الملک طوسی کی طرف ہے جو سلجوقی دور کا وزیر اعظم تھا۔ یہ مدرسہ ۴۵۹ھ/۱۰۶۶/ میں قائم ہوا۔ شاہی سرپرستی میں چلنے والا یہ مدرسہ طلبہ اور اساتذہ کیلئے ہر قسم کی سہولیات سے آراستہ تھا۔ امام غزالی اور امام ابواسحاق شیرازی اس مدرسہ کے اساتذہ تھے۔ مجد الدین فیروز آبادی اس مدرسہ کے فیض یافتہ تھے۔(۳)

(۲) مدرسہ سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود غزنوی ہندوستان میں فتوحات کے دوران متھرا شہر کی خوبصورت جامع مسجد سے متاثر ہوا تو حکم دیا کہ غزنی میں ایک عالی شان مسجد بنوائی جائے۔ چنانچہ ایک کثیر رقم خرچ کر کے ایک نادرۂ روزگار مسجد تیار کی گئی جسے عروس الفلک (آسمانی دلہن) کا نام دیا گیا۔ اسی مسجد میں علوم نقلیہ وعقلیہ کی تدریس کے لئے ایک بہترین دارالعلوم تعمیر کرایا۔ یہاں پر کامل ترین علما وفضلا ایشیاء بھر کے طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ یہ کالج ایشیاء بھر میں اپنی نظیر آپ تھا۔(۴)

(۳) جامعہ قرطبہ

یورپ کے ملک اندلس (اسپین) میں جو مسلمانوں کے زیر نگین تھا قرطبہ اور غرناطہ علم وفن اور ارباب کمال کے بڑے مرکز بن گئے تھے۔ قرطبہ کی مشہور عالَم "جامع مسجد قرطبہ" میں خلیفہ الحکم ثانی نے جامعہ قرطبہ کے نام سے ایک بڑی یونیورسٹی قائم کی تھی۔ جہاں پر مفت تعلیم کا انتظام تھا، یہاں پر مشرق ومغرب کے جلیل القدر اساتذہ تدریس کی خدمت پر مامور تھے اس یونیورسٹی کی عظمت کا اندازہ اس کے کتب خانہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے، جس میں چار لاکھ نادر کتابیں موجود تھیں اور اس کی صرف فہرست چوالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔(۵)

www.darultaqwa.org

(۴) مدرسہ امام ابوحنیفہؒ

یہ مدرسہ خلافت اسلامیہ کے دارالخلافہ بغداد میں علما نے عوام کے تعاون سے ۱۰۶۶/ میں مدرسہ نظامیہ سے پہلے قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ دارالخلافہ بغداد میں سب سے پہلا مدرسہ ہے۔ اگرچہ بعض مؤرخین مدرسہ نظامیہ کو تاریخ اسلام کا پہلا مدرسہ قرار دیتے ہیں، مگر یہ درست نہیں ہے۔

(۵) جامعہ ازہر (مصر)

فاطمی امراء نے ۳۵۸ھ میں مصر فتح کیا تو قاہرہ کو اپنا مذہبی مرکز بنا کر یہاں ۳۵۹ھ/ ۹۷۰/ میں جامعہ مسجد ازہر کی بنیاد رکھی۔ پہلے فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے اس میں ایک شاہی مدرسہ کھولا۔ جہاں پر منقولات اور معقولات کی تدریس کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ بہت جلد یہاں پر اطراف و اکناف کے طلبہ جمع ہو گئے۔ جن کی تعلیم، کھانے پینے، رہائش اور دیگر سہولتوں کا مفت انتظام تھا۔ فاطمی امراء شیعہ تھے اور انھوں نے اس مدرسہ کو زیادہ تر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ لہٰذا جب صلاح الدین ایوبی نے مصر فتح کیا تو یہاں پر شافعی مذہب کے مطابق تعلیمات کو رواج دیا۔ یہ مدرسہ آج تک جامعہ ازہر کے نام سے قائم ہے اور یہ عالم اسلام کی سب سے بڑی اور قدیم یونیورسٹی کے طور پر جانی جاتی ہے۔(۶)

مذکورہ مدارس کی پیروی میں بعد میں بہت سارے مدارس کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ نورالدین محمود بن زنگی نے دمشق اور حلب میں اور پھر صلاح الدین ایوبی اور اس کے خاندان نے مصر، دمشق اور یروشلم میں بڑی تعداد میں مدارس قائم کئے جن کی تفصیل المقریزی کی کتاب "الخطط" اور نُعیمی کی کتاب "الدارس فی تاریخ المدارس" میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ان مدارس کے پیدا کردہ چند مشہور علمائے کرام

ابتدائی دور کے ان مدارس نے چوٹی کے علمائے کرام پیدا کئے جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان کے علم و عمل کا ڈنکا ہزار سال گذرنے کے باوجود آج بھی بج رہا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر اجمالی طور پر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) امام غزالیؒ

امام محمد بن محمد الغزالی ۴۵۰ھ/ ۱۰۸۵/ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی کے پاس مدرسہ نظامیہ بغداد میں پڑھا۔ فراغت کے بعد اسی مدرسہ میں استاذ مقرر ہوئے اور ترقی کرتے کرتے صدر نشین کے درجہ تک پہنچ گئے۔ آپ نے فلسفۂ یونان کا مطالعہ کیا جس کے نظریات اسلام سے متصادم تھے اور اس کی رد میں اپنی مشہور کتاب "تہافہ الفلاسفہ" لکھی۔ آپ کی تالیفات میں سے احیاء علوم الدین، یاقوت التاویل (تفسیر قرآن چالیس جلدوں میں) اور مقاصد الفلاسفہ مشہور ہیں۔ ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱/ میں وفات پائی ہے۔

(۲) ابن سینا

ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا ۳۷۰ھ/ ۹۸۰/ کو بخارا میں پیدا ہوئے۔ حفظ قرآن اور دینی علوم کے علاوہ ریاضی، منطق اور طبعیات کے علاوہ طب و ادب میں کمال حاصل کیا۔ مختلف شاہی درباروں سے منسلک رہے اور شاہی کتب خانے استعمال کئے۔ سو سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں جن میں "الشفاء" اور "القانون" صدیوں تک یورپ کے طبی کالجوں میں پڑھائی جاتی رہی ہیں۔ ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۷/ کو ہمدان میں وفات پائی ہے۔

(۳) البیرونی

ابوریحان محمد بن احمد البیرونی خوارزم میں ۳۶۲ھ/ ۹۷۳/ کو پیدا ہوئے۔ علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔ عربی، فارسی، سنسکرت، ترکی، عبرانی اور یونانی زبانوں کے ماہر تھے۔ ہیئت، طبعیات، جغرافیہ اور ریاضی میں عالمی سطح کے محقق تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۱۱۳ بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے کتاب الہند اور الآثار الباقیہ مشہور ہیں۔ شاہی درباروں سے منسلک رہے۔ سلطان محمود غزنوی نے آپ کو اپنے دربار میں بلند مقام دیا تھا۔ ۴۴۰ھ/ ۱۰۳۵/ کو وفات پائی ہے۔

(۴) امام بیہقیؒ

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی (۳۸۴ھ تا ۴۵۸ھ) نے نیشاپور کے مدرسہ میں الحاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کئے۔ آپ بلند پایہ مفسر، محدث، فقیہ اور علم اصول کے ماہر

تھے۔آپ کی تالیفات ایک ہزار جلدوں پر مشتمل ہیں۔جن میں المبسوط فی فروع الشافعیہ، کتاب الکبیر اور دلائل النبوّہ مشہور ہیں۔

(۵)ابن عبدالبرّ اندلسیؒ

یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر ۳۶۸ھ/ ۹۷۸ /کو بمقام قرطبہ، اندلس (اسپین) پیدا ہوئے۔تمام علوم خصوصاً علم حدیث میں بلند مقام حاصل کیا۔آپ کی تصانیف کی ایک لمبی فہرست ہے۔یہ تصانیف سینکڑوں جلدوں پر مشتمل ہیں جن میں التمہید (ستّر جلدوں میں) الاستیعاب، جامع بیان العلم وفضلہ اور الانتقاء مشہور ہیں۔ ۴۶۳ھ میں وفات پائی۔

ان مدارس کی اقسام

یہ مدارس تین طرح کے تھے۔ایک بادشاہوں اور امراء کے قائم کردہ مدارس۔ دوسرے مخیر علماے کرام کے قائم کردہ مدارس اور تیسرے عوام کے تعاون سے چلنے والے مدارس۔ان تینوں قسموں کی قدرے تفصیل دی جاتی ہے۔

(۱)بادشاہوں اور امراء کے قائم کردہ مدارس

یہ وہ مدارس تھے جو بادشاہوں یا ان کے وزیروں اور عام مالدار لوگوں نے قائم کئے تھے اور یہ لوگ ان مدارس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے تھے۔ نظام الملک طوسی کا ذکر پہلے گذر چکا یہ خود بھی عالم فاضل شخص تھا اور علما وفضلا کا حد درجہ قدردان تھا۔ان کی مجلس علما اور صوفیا سے بھری رہتی تھی اور اپنے اموال ان پر بے دریغ خرچ کرتا تھا۔السبکی کے مطابق نظام الملک نے عراق اور خراسان کے ہر شہر میں ایک ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔(۷)

ابن اثیر نے مدرسہ نظامیہ بغداد کے بارے میں لکھا ہے کہ یہاں پر مدرسین کیلئے تنخواہوں کے علاوہ طلبہ کیلئے خورد ونوش و رہائش اور وظائف کا مفت انتظام تھا۔ابن الجوزی نے لکھا ہے کہ بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے قائم کرنے کے بعد نظام الملک نے نیشاپور، بلخ، ہرات، اور بصرہ میں نظامیہ مدارس قائم کئے۔ ان میں طلبہ اور اساتذہ کی رہائش، خوراک اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کا معقول انتظام تھا۔طلبہ کے لئے کتابیں، کاپیاں اور تدریسی سامان مہیا کیا جاتا تھا۔مصارف پورے کرنے کیلئے نظام الملک نے مختلف

شہروں میں ان مدارس کیلئے اوقاف قائم کر دیئے تھے۔ جہاں سے اساتذہ کو مشاہرے اور طلبہ کو وظائف ملتے تھے۔(۸)

قزوینی نے مزید لکھا ہے کہ ایک بار سلجوقی بادشاہ الپ ارسلان نے نیشاپور کا دورہ کیا۔ وزیراعظم نظام الملک بھی ساتھ تھا۔ وہاں کے علما نے جمع ہو کر بے کسی اور ذرائع معاش کے فقدان کی شکایت کی۔ نظام الملک کو موقع ملا۔ اور ان کیلئے ایک مدرسہ بنانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے نہ صرف اجازت دی بلکہ سرکاری آمدنی کا دس فیصد حصہ بھی اس کیلئے وقف کیا۔(۹)

تاریخ الاسلام کے مؤلف حسن ابراہیم حسن نے جامعہ ازہر کے بارے میں لکھا ہے کہ فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نے جب یہ مدرسہ کھولا تو یہاں پر درس و تدریس کیلئے تمام سہولتوں کا انتظام کیا جس کی وجہ سے اطراف و اکناف کے طلبہ بہت جلد یہاں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ ان کیلئے کھانے پینے، رہائش اور دیگر سہولتوں کا مفت انتظام تھا۔(۱۰)

(۲) مخیر علماء کے مدارس

مدارس کی ایک قسم وہ تھی جو صاحب استطاعت علمائے کرام نے قائم کی تھی۔ یہ علمائے کرام نہ صرف ان مدارس میں درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے بلکہ اپنی بساط کے مطابق اپنا مال بھی ان کے طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔ امام ابن فورک (متوفی ۴۰۶ھ/ ۱۰۱۵ء) شافعیہ کے امام تھے۔ انھوں نے نیشاپور میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی (متوفی ۴۳۸ھ/ ۱۰۴۶ء) نے اسی مدرسہ سے فراغت حاصل کی تھی۔ امام عبدالعزیز بن احمد الحلوائی البخاری (متوفی ۴۴۸ھ) بخاریٰ میں احناف کے بڑے امام تھے۔ انھوں نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ حلوہ بیچ کر اس کی کمائی طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں علمائے کرام نہ صرف اپنے ہاتھوں کی کمائی سے گذر اوقات کرتے تھے اور درس و تدریس بلا معاوضہ کرتے تھے بلکہ اپنے اموال طلبہ پر خرچ کرتے تھے۔ شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسیؒ (متوفی ۴۸۳ھ) اس مدرسہ کے فیض یافتہ تھے اور اپنے استاذ کی وفات کے بعد ان کی جگہ پر علما کے اتفاق سے مسند نشین ہو گئے تھے۔ بغداد میں سرکاری سرپرستی میں چلنے والے مدرسے "مدرسہ نظامیہ" کے قیام سے قبل مدرسہ امام ابوحنیفہ کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ یہ مدرسہ بھی چند علما کے اشتراک عمل سے وجود میں آیا تھا۔ اس کی تعمیر

اور قیام کی ذمہ داری ابوسعد المستوفی نے سال ۴۵۹ھ میں لی تھی اور مدرسہ کی تدریس کا اہتمام استاذ ابوطاہر الیاس بن ناصر دیلمی (متوفی ۴۶۱ھ) کے سپرد تھی جو بغداد کی ایک عالم و فاضل شخصیت تھی۔ مدارس کی یہ مثالیں نمونہ کے طور پر ہیں، ورنہ علما کے اپنے اخراجات سے قائم کردہ مدارس تمام اسلامی دنیا میں قائم تھے۔ (۱۱)

(۳) عوام کے قائم کردہ مدارس

مدارس کی تیسری قسم وہ تھی جو کہ مسلمانوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے عوامی چندوں کے ذریعہ مدارس قائم کئے تھے۔ ان چندوں سے مدرسین کی تنخواہیں، طلبہ کیلئے خورد و نوش کا انتظام، تعمیری ضروریات اور دیگر نظم ونسق کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے۔ مدرسہ بیہقیہ کا ذکر پہلے ہو چکا۔ یہ عوامی مدرسہ تھا اور اس کے اخراجات عوامی چندوں سے پورے کئے جاتے تھے۔ اس طرح کے مدارس بھی عالم اسلام میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے۔

اس دور کے مدارس کے ذرائع آمد وخرچ

گذشتہ سطور میں مدارس کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک قسم ان مدارس کی تھی جو بادشاہوں، وزیروں یا امراء نے قائم کی تھی۔ ظاہر ہے ان مدارس کے بانیان چونکہ مال و دولت سے مالا مال تھے اسلئے اپنے قائم کردہ مدارس پر دل کھول کر خرچ بھی کیا کرتے تھے۔ بادشاہ اور وزیر قسم کے لوگ عموماً دنیاداری اور بے جا اسراف کے کاموں میں مال خرچ کرتے ہیں۔ اپنی ذاتی خواہشات اور خورد ونوش وغیرہ پر بے دریغ دولت لٹاتے ہیں اس لئے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ نیکی کے کام میں بھی پیسہ خرچ ہو۔ اس نیک خواہش کی تسکین کے لئے کبھی وہ مساجد اور مدارس تعمیر کرتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں بھی بعض بادشاہ اور وزراء جو علم وفن کے قدردان تھے انھوں نے علمی کاموں پر بے دریغ پیسہ خرچ کیا۔ اس کی زندہ مثال عباسی خلیفہ مامون الرشید کے بیت الحکمت کی ہے۔ جو دنیا کی سطح پر ایک عظیم الشان لائبریری ہونے کے علاوہ مختلف علوم وفنون کے ترجمہ، تحقیق، تدوین اور تجربہ گاہ کی حیثیت سے مشہور تھی۔ اس قسم کے اداروں کے حسابات کا طریق کار نہایت منضبط ہوا کرتا تھا۔ اور یہ ادارے مالی لحاظ سے خود کفیل ہوا کرتے تھے۔

مدارس کی دوسری قسم وہ تھی جو علمائے کرام کی سرپرستی میں قائم تھی۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے پتا

چلتا ہے کہ پہلے وقتوں میں علماء کرام نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہے اور نہ صرف اپنا معاشی بوجھ خود سنبھالا ہے بلکہ تعلیم وتدریس کی خلوص دل سے خدمت کی ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں قفّال (تالا فروش) رزّار (چاول فروش) حدّاد (لوہار) حلوائی (حلوہ فروش) قدوری (ہانڈی فروش) وغیرہ القاب علماء کے ناموں کے ساتھ ملتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے پیشے علماء اپنا کر نہ صرف اپنا معاشی مسئلہ حل کرتے بلکہ ساتھ ساتھ مدارس اور مکاتب بھی اپنے اخراجات سے چلاتے تھے۔

مدارس کے اخراجات برداشت کرنے میں عوام الناس کا بھی ہمیشہ سے بڑا حصہ رہا ہے بلکہ موجودہ دور میں تو تقریباً انہی کے اخراجات سے مدارس چلتے ہیں۔ یہ لوگ آخرت کے ثواب اور علم ودین کی تبلیغ کی نیت سے مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور یہ تعاون اس قدر خلوص اور والہانہ انداز پر مشتمل ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی عطیات کا حساب کتاب بھی کبھی مدارس ومساجد والوں سے نہیں مانگا ہے۔

اس دور کے مدارس میں مروّجہ علوم وفنون

ہمارے اس زمانے میں نصاب تعلیم کسی بھی تعلیمی ادارے کیلئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ زمانۂ قدیم میں مدارس کیلئے کوئی مقررہ نصاب تعلیم نہ تھا۔ اس زمانے میں کتاب پڑھنے کے بجائے فن پڑھایا جاتا تھا۔ اور اسلئے ہر فن کے ماہر عالم کے پاس اس علم کے تشنگان کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی مدارس کا کوئی مرتب نصاب تعلیم نہیں تھا بلکہ اگر ہم یہ جاننا چاہیں کہ اس زمانے کے علوم وفنون کیا تھے اور کس درجہ کے تھے تو اس کے لئے ہمیں اس زمانے کے علما وفضلا پر نظر دوڑانی پڑے گی۔ چنانچہ اس طرح جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت ہمارے سامنے کھل جاتی ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں میں نہ صرف دینی علوم کی تعلیم اعلیٰ پیمانہ پر موجود تھی بلکہ دنیاوی علوم اور زمانہ کے تقاضا کے مطابق تمام فنون کی بھی تعلیم دی جاتی تھی اور اس سلسلے میں مسلمان دنیا کے تمام متمدن اور مہذب اقوام سے بہت آگے تھے۔ آیئے اس زمانے میں مروجہ علوم وفنون کا اندازہ اس زمانے کی علمی شخصیات کے ذکر سے مختصراً لگاتے ہیں۔

ابن الہیثم (۹۶۵ / تا ۱۰۴۳ /) کا تعلق مدارس کے اس ابتدائی دور سے تھا۔ ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا۔ روشنی اور علم بصریات کا ماہر تھا۔ اس نے جامع ازہر کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر روشنی پر ایک کتاب

"کتاب المناظر" لکھی۔ اس نے سایوں، سورج گرہن اور چاند گرہن پر کتاب لکھی۔ اس نے سب سے پہلے روشنی کی ماہیت دریافت کی، اور روشنی کو توانائی قرار دیا۔ اسے "بصریات کا امام" کہا جاتا ہے۔

ابن النفیس (۱۲۱۳ / تا ۱۲۸۸ /) دمشق میں پیدا ہوا۔ نورالدین زنگی کی بنائی ہوئی طبی درسگاہ (Medical College) سے علم حاصل کیا۔ طب کے علاوہ فقہ، ادب اور دینی علوم کا ماہر تھا۔ اسے قاہرہ میں نصری ہسپتال کا سربراہ بنایا گیا۔ انسانی جسم میں خون کی گردش کی دریافت اس کا کارنامہ ہے۔ اس نے خون کی شریانوں اور دل سے متعلق کئی مفید معلومات فراہم کیں اور آنکھوں کی تکالیف کی تحقیق کی۔ اس نے جالینوس اور بوعلی سینا کی کتب پر تحقیقی اور تنقیدی کام کیا۔ اس کی کتب "الشامل فی الطب" اور "مجاز القانون" سے آٹھ صدیوں سے علما و حکما فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ابن رشد (۱۱۲۶ / تا ۱۱۹۸ /) قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ دینی علوم میں مہارت کی وجہ سے قرطبہ کے قاضی القضا مقرر ہوئے۔ علم طب میں نام اور شہرت پیدا کی۔ مراکش کے بادشاہ ابویعقوب یوسف نے اسے اپنی خدمت کیلئے بلایا۔ ابن رشد کی کتابوں کی تعداد ۷۵ بتائی جاتی ہے۔ اس کی کتاب "الکلیات فی الطب" نے بہت شہرت پائی کیونکہ یہ دنیا میں سب سے پہلی کتاب ہے جو طب میں چھپ گئی اور اس میں چیچک کے بارے میں معلومات ہیں۔ اس نے ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کی شرحیں لکھیں۔

ابوریحان البیرونی (۹۸۳ / تا ۱۰۴۸ /) ہیئت، ریاضی اور تاریخ و تمدن کا عالمی طور پر تسلیم شدہ عالم و فاضل ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی قائم کردہ رصدگاہ میں کام کیا۔ اسے "علم کے دریا" کا خطاب ملا۔ کتاب الہند، الآثار الباقیہ اور القانون المسعودی اس کی زندہ جاوید تالیفات ہیں۔

شیخ الرئیس بوعلی سینا (۹۸۰ / تا ۱۰۳۸ /) اپنے عہد کا سب سے عظیم طبیب، فلسفی، ماہر فلکیات اور ریاضی دان تھا۔ اس نے ہمدان میں رصدگاہیں بنائیں۔ اس کی کتابیں الشفاء اور القانون بہت مشہور ہیں۔

ماہر علم کیمیاء اور بلند پایہ طبیب جابر بن حیان (۷۲۲ / تا ۸۱۵ /) کو برمکی خاندان کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نے یونانی زبان سے علوم و فنون کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ اس نے تین معدنی تیزابوں کو دریافت کیا۔ شورے کے تیزاب کو پھٹکری، کسیس اور قلمی شورے سے تیار کیا۔ کیمسٹری کے موضوع پر اس نے بائیس کے قریب کتابیں لکھی ہیں۔ کتاب المیزان اس کی مشہور کتاب ہے۔

اسی طرح ابوالقاسم الزہراوی تاریخ اسلام میں علم جراحی (سرجری) کے ماہر، عمر الخیام فلکیات اور علم

ہیئت کے ماہر، الفارابی یونانی فلسفے کے ماہر اور الفرغانی ماہر علم ہندسہ کے طور پر مشہور ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کے مدارس میں کس قسم کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اس دور کا نصاب تعلیم دین و دنیا اور مذہب و سائنس دونوں کو جامع تھا۔

حوالہ جات

(۱) حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام، طبع مصر ۴/ ۱۴۲۱ تاریخ تعلیم و تربیت اسلامیہ، طبع لاہور، ص: ۱۰۲۔

(۲) المقریزی: کتاب الخطط، طبع بیروت: ۲/ ۳۶۳۔

(۳) القزوینی: آثار البلاد و اخبار العباد، ص: ۴۱۳---ابن اثیر: الکامل فی التاریخ: ۱۰/ ۷۷۔

(۴) محمود الرحمن ندوی: دولت غزنویہ، ص: ۱۲۸۱---محمد عبدالرحمن خان: تاریخ اسلام پر ایک نظر، ص: ۲۶۵۔

(۵) اخبار الاندلس (س۔ پ سکاٹ کی کتاب "ہسٹری آف مورش ایمپائر ان یورپ" کا اردو ترجمہ، ص: ۶۵۶ و بعد۔

(۶) زاہد علی: تاریخ فاطمین مصر، طبع کراچی: ۱/ ۱۶۲---حسن ابراہیم حسن: تاریخ الدول الفاطمیہ، طبع قاہرہ، ص: ۳۲۹ و بعد

(۷) السبکی، عبدالوہاب، تاج الدین: طبقات الشافعیہ، طبع قاہرہ: ۳/ ۱۳۷۔

(۸) ابن الجوزی: المنتظم فی تاریخ الملوک والامم: ۸/ ۲۱۵۔

(۹) القزوینی: آثار البلاد و اخبار العباد، ص: ۴۱۳۔

(۱۰) حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام، طبع مصر ۴/ ۴۲۲۔

(۱۱) (ادارالعلوم، شمارہ 4، جلد: 89، صفر، ربیع الاول 1426 ہجری مطابق اپریل 2005ء

www.darultaqwa.org

مفتی محمد تقی عثمانی

حج سے متعلق کچھ غلط فہمیوں کا ازالہ

حج کی فرضیت کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لوگوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک مضمون کے ذریعے ان کا حل کر دیا جائے تو مفید ہوگا۔ اس سلسلے میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔

☆ حج کے بارے میں بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑھاپے میں کرنے کا کام ہے لہٰذا جب تک اچھی خاصی عمر نہ گزر جائے لوگوں کو دھیان ہی نہیں ہوتا کہ اس فریضے کی ادائیگی کرنی چاہئے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حج کا کسی خاص عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس طرح نماز اور روزہ بالغ ہوتے ہی انسان کے ذمہ فرض ہو جاتے ہیں اور اگر انسان صاحب نصاب ہو تو زکوۃ بھی فرض ہو جاتی ہے اسی طرح بالغ ہونے کے بعد جب بھی کسی شخص کو اتنی استطاعت حاصل ہو کہ وہ حج کر سکے اس پر فوراً حج فرض ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا ہے کہ حج ہر اس شخص پر فرض ہے جو بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، اس استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے پاس مکہ مکرمہ آنے جانے اور وہاں ٹھہرنے، کھانے پینے وغیرہ کا ضروری خرچ موجود ہو اور اگر وہ بال بچوں کو وطن میں چھوڑ کر جا رہا ہے تو ان کے ضروری اخراجات انہیں دے کر جا سکے۔ جب کبھی کسی شخص کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ وہ ضروریات پوری کر سکے تو اس پر حج کی ادائیگی فرض ہے اگر اتنا خرچ نقد موجود نہ ہو لیکن اس کی ملکیت میں اتنا زیور ہو یا فوری ضرورت سے زیادہ اتنا سامان (مثلاً تجارت) ہو کہ اس مالیت سے یہ خرچ پورے ہو سکتے ہوں تو اس پر بھی حج فرض ہو جاتا ہے۔

☆ جب ایک بار حج فرض ہو جائے تو پھر اسے کسی شدید عذر کے بغیر ٹالنا یا دیر کرنا جائز نہیں بلا وجہ دیر کرنے سے انسان گناہ گار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کسی کو معلوم نہیں ہے کہ وہ کتنا عرصہ زندہ رہے گا لہٰذا حج فرض ہونے کے بعد جس قدر جلدی ممکن ہو یہ فریضہ ادا کر لینا چاہئے۔ آج کل چونکہ اس کام کے لئے درخواست دے کر منظوری لینی پڑتی ہے اس لئے جس شخص کے ذمہ بھی اوپر بیان کیے ہوئے معیار کے مطابق حج فرض ہو اس پر حج کے لئے درخواست دینا شرعاً ضروری ہے اگر لاٹری میں نام نہ آئے یا حکومت کی جانب سے اجازت نہ ملے تو ایک مجبوری ہے اور انشاء اللہ اس صورت میں درخواست دیتا رہے گا اس کی ذمہ داری پوری ہوتی رہے گی۔ یہاں تک کہ اسے اجازت مل جائے اور وہ باقاعدہ حج کرے۔ لیکن یہ تصور قطعی طور پر غلط اور بے بنیاد ہے کہ جب عمر بڑی ہو جائے گی اس وقت حج کے لئے درخواست بھیجی جائے گی۔

بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ حج کا اصل لطف جوانی ہی میں ہے۔ اول تو اس لیے کہ حج میں جسمانی محنت اور مشقت کی ضرورت ہوتی ہے اور حج کے افعال اسی وقت نشاط اور ذوق وشوق کے ساتھ انجام دیے جا سکتے ہیں جب انسان جسمانی طور پر فٹ اور مضبوط ہو اور وہ اطمینان کے ساتھ یہ محنت برداشت کر سکتا ہو ورنہ بڑھاپے میں اگرچہ انسان جوں توں کر کے حج کر لیتا ہے لیکن کتنے کام ایسے ہیں جنہیں نشاط چستی اور حضور قلب کے ساتھ انجام دینے کی حسرت ہی دل میں رہ جاتی ہے۔ دوسرے اس لیے کہ حج اگر اخلاص اور نیک نیتی سے صحیح طور پر انجام دیا جائے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ انسان کے دل میں ایک انقلاب ضرور لے کر آتا ہے اس سے انسان کے دل میں نرمی اللہ تعالی کے ساتھ تعلق اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔ جو آخر کار اسے گناہوں جرائم اور بدعنوانیوں سے روکتی ہے۔ قلب وذہن کی اس تبدیلی کی سب سے زیادہ ضرورت انسان کو جوانی میں ہوتی ہے کیوں کہ اس کے بغیر وہ جوانی کی رو میں غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ بڑھاپے میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے۔ پیغمبروں کا شیوہ یہ ہے کہ جوانی میں ظلم اور گناہ سے توبہ کی جائے۔

☆ یہ غلط فہمی بھی بہت سے لوگوں کے ذہن میں پائی جاتی ہے کہ جب تک تمام اولاد کی شادیاں نہ ہو جائیں اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہئے۔ یہ خیال بھی سراسر غلط ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حج کی فرضیت کا اولاد کی شادیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جس شخص کو بھی مذکورہ بالا معیار کے مطابق استطاعت ہو اس کے ذمہ حج فرض ہو جاتا ہے چاہے اولاد کی شادیاں ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں۔

☆ بعض گھرانوں میں یہ رواج بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب تک گھر کا بڑا فرد حج نہ کر لے اس وقت تک چھوٹے حج کرنا ضروری نہیں سمجھتے بعض گھرانوں میں اس کو ایک عیب سمجھا جاتا ہے کہ چھوٹا بڑے سے پہلے حج کر آئے۔ حالانکہ دوسری عبادتوں یعنی نماز، روزے اور زکوۃ کی طرح حج بھی ایک ایسا فریضہ ہے جو ہر شخص پر انفرادی طور سے عائد ہوتا ہے۔ چاہے کسی دوسرے نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر گھر کے کسی چھوٹے فرد کے پاس حج کی استطاعت ہے تو اس پر حج فرض ہے اگر بڑے کے پاس استطاعت نہ ہو یا استطاعت کے باوجود وہ حج نہ کر رہا ہو تو نہ اس سے چھوٹے کا فریضہ ساقط ہوتا ہے نہ اس کو ٹالنے کا کوئی جواز پیدا ہوتا ہے۔

☆ بہت سے گھرانوں میں یہ صورت دیکھنے میں آئی ہے کہ باپ صاحب استطاعت نہیں ہے مگر بیٹا صاحب استطاعت ہے اس کے باوجود وہ یہ سمجھتا ہے کہ پہلے میں باپ کو حج کراوں پھر خود حج کروں یا اس وقت کا انتظار کروں جب میں باپ کو اپنے ساتھ حج کو لے جا سکوں۔ یہ طرز عمل بھی درست نہیں ہے اگر چہ باپ کو حج کرانا ایک بڑی سعادت مندی ہے لیکن اس سعادت کے حصول کے لئے اپنے فریضے کو ٹالنا درست نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے رمضان کے مہینے میں باپ بیماری یا ضعیفی کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکے تو بیٹے کے لئے اس بات کا جواز پیدا نہیں ہوتا کہ وہ باپ کی وجہ سے خود اپنے روزے بھی چھوڑ دے اور یہ طے کر لے کہ جب تک باپ روزے رکھنے کے قابل نہ ہو میں بھی روزے نہیں رکھوں گا۔ جس طرح یہ طرز عمل غلط ہے اسی طرح اپنے حج کو باپ کے حج پر موقوف رکھنا بھی غلط ہے اپنا فرض ادا کر لینا چاہئے پھر جب کبھی استطاعت ہو اس وقت باپ کو حج کرانے کی بھی کوشش کر لینی چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ حج ایک عبادت ہے اور وہ اسی طرح ہر شخص پر انفرادی طور سے فرض ہوتی ہے جیسے نماز، روزہ۔ اور کسی کے ذمے دوسرے کو نہ حج کرانا فرض ہے نہ اپنے حج کی ادائیگی دوسرے کے حج پر موقوف ہے لہٰذا جن حضرات کے ذمہ مذکورہ بالا معیار کے مطابق حج فرض ہو چکا ہے انہیں حج کی درخواست ضرور دینی چاہئے۔ جن حضرات کی درخواستیں منظور ہو جائیں انہیں جانے سے پہلے حج کے مکمل احکام و آداب سیکھنے چاہئے۔ اس کے لئے ہر زبان میں کتابیں بھی موجود ہیں اور ہمارے ملک میں مختلف حلقوں کی جانب سے حج کے تربیتی کیمپ اور کورس بھی منعقد ہوتے ہیں ان میں شرکت کرنی چاہئے۔ عام طور پر درخواست کی منظوری اور حج کے لئے روانگی کے درمیان خاصا طویل وقفہ ہوتا ہے جو حج کے احکام و آداب سیکھنے کے لئے

بہت کافی ہے۔ بہت سے حضرات اس طرف دھیان دیے بغیر حج کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں اور اتنا خرچ اور مشقت اٹھا کر بھی صحیح طریقے سے حج کرنے سے محروم رہتے ہیں۔ بعض حضرات اپنی اس لاعلمی کو اپنی من گڑھت رائے کے پردے میں چھپانے کی بھی کوشش کرتے ہیں اور اپنی رائے سے حج کے طریقوں میں خودساختہ تبدیلیاں بھی کر لیتے ہیں۔

دنیا میں ہر کام کے لئے کچھ ادب وآداب ہیں اور تو اور کھیل تک کے آداب اور قواعد مقرر ہیں اور اب تو کھیل تک کے آداب وقواعد مستقل فن کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور کوئی شخص کھیل بھی کھیلنا چاہے تو اسے یہ قواعد سیکھنے پڑتے ہیں اور دل مانے یا نہ مانے ان کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ حج تو پھر ایک عبادت ہے بڑی مقدس اور عظیم عبادت لہٰذا اس کے آداب واحکام سیکھنے اور ان کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ محض اپنی رائے سے ان قواعد وآداب میں تبدیلی کرنا اپنی محنت اور پیسے کو برباد کرنے کے برابر ہے اگر اپنی من مانی کرنی ہے تو حج کے تکلف کی ضرورت ہی کیا ہے۔

حج چونکہ تمام مسلمان جمع ہوکر انجام دیتے ہیں اور حج کے موقع پر انسانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اس میں ایک دوسرے سے تکلیف پہنچنے کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اسلام نے حج کے احکام میں اس بات کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے کہ کوئی شخص کسی کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے قدم قدم پر ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن کا مقصد لوگوں کو تکلیف سے بچانا ہے۔ اس غرض کے لئے بہت سے ایسے کاموں کو ترک کرنے کی ہدایت دی گئی ہے جو خود بہت فضیلت رکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ صحیح معلومات اور مناسب تربیت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ ان احکامات کو پس پشت ڈال کر دوسروں کے لئے جان تک کا خطرہ پیدا کر دیتے ہیں جو کام تھوڑا سا صبر اور تحمل پیدا کر کے آرام وسکون کے ساتھ ہو سکتے ہیں ان میں دھکم پیل کی جاتی ہے اور بلا وجہ حج جیسی عبادت کو دھینگا مشتی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات اسلامی احکام کے قطعی خلاف اور سراسر ناجائز ہے جس سے عبادت کی روح پامال ہوتی ہے لہٰذا حج کے تربیتی کورسوں اور حج سے متعلق ہدایات میں یہ پہلو خاص طور سے نمایاں کر کے اس پر زور دینے کی ضرورت ہے۔

• • •

بیان: مولانا محمد یوسف خان صاحب
ضبط وتحریر: امیر حمزہ

کامیاب استاذ بننے کے لئے بیس رہنما اصول

www.darultaqwa.org

بہترین استاذ وہ ہے جو بیک وقت نفسیات، اخلاقیات اور روحانیت میں مہارت رکھتا ہو۔ ان میں سے ہر مہارت کی خصوصیات دوسری مہارت سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ اس لئے ہم ان تینوں مہارتوں کے لئے کچھ مشترکہ اصول ذکر کریں گے۔

1۔ اخلاص:

اچھا استاذ اپنے پیشے کے ساتھ مخلص ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشے کے ساتھ جس قدر بے لوث ہوگا، اس کی دلچسپی اسی قدر بڑھتی جائے گی اور اس کی راہ میں حائل رکاوٹیں اتنی ہی کم ہوتی چلی جائیں گی۔ اخلاص وہ جوہر ہے جس سے عمل میں لذت پیدا ہوجاتی ہے۔

2۔ تقویٰ:

علم اور تقوی کا باہم گہرا تعلق ہے، اسی وجہ سے قرآن پاک میں خشیت الٰہی کا مدار "علم" کو قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ بات ہم پر مخفی نہیں کہ استاذ کے دل میں جتنی خدا خوفی ہوتی ہے اس کی زبان میں اسی قدر تاثیر ہوتی ہے۔

3۔ بہترین عملی کردار:

شاگرد اپنے استاذ کو بہت باریک بینی سے دیکھتا ہے، یوں استاذ کی چال ڈھال، عادات واطوار اور

اخلاق وکردار لاشعوری طور پر بھی اس میں اترنے لگتے ہیں۔شاگرد کی دقتِ نظری کیسی ہوتی ہے اس ضمن میں میں ایک واقعہ آپ کے سامنے رکھوں گا۔ ہوا یوں کہ ایک دن میری گھڑی خراب تھی تو میں گھر والوں کی گھڑی پہن کر کلاس میں چلا گیا، دورانِ درس میری پوری کوشش رہی کہ گھڑی کپڑوں میں چھپی رہے، دن گزر گیا، بات آئی گئی ہوگئی، کچھ مدت کے بعد ایک طالب علم سے گفتگو ہو رہی تھی، وہ درسگاہ میں میری کسی بات کا حوالہ دے رہا تھا مگر مجھے یاد نہیں آرہا تھا، میں نے مزید استفسار کیا تو اس نے کہا:"استاد جی جس دن آپ لیڈیز گھڑی پہن کر آئے تھے۔" مجھے سخت حیرت ہوئی کہ طلبہ کتنی گہرائی سے استاد کو پڑھتے ہیں، بلکہ پڑھنے کے بعد اسے یاد رکھتے ہیں اور دوسروں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

4۔تلاوت کا معمول:

تلاوت کا معمول روزانہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔تلاوت کم از کم اتنی اونچی آواز سے کرنی چاہیے کہ اسے خود سن سکے، ان شاء اللہ اس عمل کی تاثیر وہ خود محسوس کرے گا۔

5۔ذکر اللہ:

بہتر ہوگا کہ تلاوت کے علاوہ ذکر الٰہی کے لئے کچھ وقت الگ سے نکالے۔قلب کے احیا (دل کو زندہ رکھنے) کے لئے یہ عمل نہایت موثر ہے۔

6۔شکر:

اچھا مدرس وہ ہوتا ہے جس کی طبیعت میں شکر کا وصف موجود ہو، شکر سے مراد اس کی تینوں قسمیں ہیں، یعنی قلبی، لسانی اور عملی۔قلبی شکر کا مطلب ہے کہ دل میں منعم (محسن) کا احترام اور اس سے محبت ہو۔جس ادارے سے اس کا روزگار وابستہ ہے وہاں کے منتظمین کا قلبی شکر بے حد ضروری ہے۔ جو مدرس اپنے طلبہ کے سامنے اپنے منعم کی برائیاں بیان کرتا ہے اور اس پر تنقید کرتا ہے وہ ناکام ترین مدرس ہے۔شکرِ لسانی دو طریقوں سے ہوتا ہے، ایک وہ جس کی سورہ ضحیٰ میں تعلیم دی گئی ہے"واما بنعمۃ ربک فحدث" یعنی اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے، جسے تحدیث بالنعمت کہا جاتا ہے۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے محسن کا شکر زبان سے بھی ادا کرے جسے اللہ تعالی نے فرمایا:"ان اشکر لی ولوالدیک" (میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ (جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے

اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا)۔ عملی شکر سے مراد ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو ڈھنگ سے استعمال کرے، جو استاذ نعمتوں کا درست استعمال نہیں کرتا وہ ناشکرا اور ناکام مدرس ہے۔

7۔ حیا:

استاذ کے لئے حیا ایک ناگزیر وصف ہے۔ حیا کا مطلب ہے "انقباض النفس عن القبیح" یعنی اللہ کی طرف سے ناپسندیدہ قرار دی گئی باتوں/ چیزوں سے اس کا جی تنگ پڑے، ایسی باتوں کی طرف جانا اس کے لئے گرانی کا باعث ہو۔ استاد میں حیا ہوگی تو آگے بھی یہ وصف ضرور متعدی ہوگا، مگر افسوس ہے کہ موبائل نے ہم اساتذہ کی حیا اگر ختم نہیں کی تو کم ضرور کردی ہے۔

8۔ ذمہ داری کا احساس:

یہ بات مشاہدے اور تجربے سے ثابت ہے کہ طلبہ کا غیر ذمہ دارانہ رویے کا ایک بڑا باعث استاد کا غیر ذمہ دارانہ مزاج ہے۔ کامیاب مدرس بننے کے لئے اپنے اندر ذمہ داری کا احساس جگانے کی ضرورت ہے۔

9۔ اچھی صحبت:

اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جس کا مزاج اچھا ہو، اس کی بیٹھک اچھے لوگوں کے ساتھ ہو، اس کی پہچان اچھی سوسائٹی ہو۔ حدیث کے مطابق اسے عطار کے مانند ہونا چاہیے جس کے پاس سے گزرنے والا کم از کم معطر ضرور ہو سکے، نہ کہ لوہار کی طرح جس کی صحبت اختیار کرنے والے کو بھٹی کی تپش بھی گوارا کرنا پڑتی ہے۔ برے لوگوں سے خیر خواہی اور اصلاح کا تعلق تو رکھے مگر دوستی کا نہیں۔

10۔ تحمل اور برداشت:

تعلیم اور تزکیہ کے میدان میں صبر و تحمل کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔ انبیا کو اللہ نے بار بار اس کی تلقین فرمائی ہے۔ استاذ میں جس قدر یہ خوبی ہوگی وہ اتنا ہی کامیاب مدرس ثابت ہوگا۔

11۔ زہد اور بے رغبتی:

ایک اچھا استاذ وہ ہوتا ہے جس میں کمال درجے کا زہد ہو، شاگرد کے مال پر اگر استاذ کی رال ٹپک رہی ہو تو شاگرد کی نظر میں ایسا استاذ ٹکے کا نہیں رہتا۔ حدیث میں جو ارشاد ہے "ازهد في الدنيا يحبك الله و ازهد

فیما عند الناس یحبك الناس" (دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے مال ومتاع سے نظریں پھیر لو لوگ تمہارے دیوانے بن جائیں گے) اس میں الناس کی جگہ طلبہ کو رکھ کر عملی مشاہدہ کیجئے، پھر ادراک ہوگا کہ کتنی بڑی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

12۔عفو درگذر اور وسعتِ قلبی:

ہر معمولی بات پر پکڑ کرنے والا کبھی کامیاب مدرس نہیں بن سکتا، استاذ کو اپنے اندر وسعتِ قلبی پیدا کرنی چاہیے۔اللہ کی بھی یہی سنت ہے۔او یوبقھن بما کسبوا ویعف عن کثیر۔

13۔خدمت خلق کا جذبہ:

افسوس ہے کہ اس اہم ترین عبادت کو ہم نے شعبوں میں تقسیم کر دیا ہے، روزمرہ زندگی میں بطور عبادت اس اصول کا اطلاق ہمارے ہاں نادر ہے۔تبلیغ میں جانے والے احباب سفرِ دعوت میں ہر طرح کی خدمت اکرامِ مسلم سمجھ کر کرتے ہیں مگر گھر پہنچتے ہی یہ خدمت انہیں ذلت محسوس ہوتی ہے۔استاذ اگر اپنے طلبہ کے سامنے خدمتِ خلق کا عملی نمونہ پیش کرے گا تو ان کے دل میں عظمت بڑھے گی۔اس سلسلے میں اپنا ایک واقعہ بیان کروں گا کہ ضعف اور نقاہت کی وجہ سے چونکہ طبیعت مستعد نہیں رہی، ایک مرتبہ میں نے کھانا تناول کرنے کے بعد بچوں سے کہا کہ بیٹا دسترخوان اٹھا لو، اتنے میں کیا سنتا ہوں کہ میرا چھوٹا نواسا دروازے سے نکلتے ہوئے کہہ رہا ہے "خود تو بڑے بنے بیٹھے ہیں اور ہمیں کام پر لگایا ہوا ہے"۔ایسے موقع پر اگر بچوں کو ڈانٹ دیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ فرق پڑے گا کہ وہ یہی بات آپ کے سامنے کہنے سے باز رہیں گے مگر ان کے ذہنوں کو آپ صرف اور صرف اپنے کردار سے کھرچ سکتے ہیں۔

14۔قوت اور امانت:

اچھا پیشہ ور وہ ہوتا ہے جس میں قوت اور امانت کا وصف بخوبی موجود ہو۔قرآن پاک میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کا تبصرہ ذہنوں سے اوجھل نہیں رہنا چاہیے "ان خیر من استاجرت القوی الامین" (بہترین اجیر وہ ہے جو قوی بھی ہو امین بھی) استاد کی قوت اس کا وسعتِ مطالعہ، علمی رسوخ اور اپنے فن/مضمون پر دسترس ہے۔نالائق سے نالائق طالب علم بھی اپنے استاذ کی علمی قابلیت کو اچھی طرح بھانپ لیتا ہے۔استاذ کی امانت کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ علم کو آگے منتقل کرنے میں کس قدر محتاط اور سخی ہے۔

15۔رجائیت (پراُمید ہو):

اچھا استاذ کبھی مایوس نہیں ہوتا، اس کی مثال اس پھل بیچنے والے کی سی ہے جو اپنے گاہک کے سامنے پھل کی ایسی تعریف کرے کہ وہ تھوڑے کے بجائے زیادہ لینے پر مجبور ہوجائے اور اگر خدانخواستہ وہ اس طرح کے جملے دہرانے لگے کہ" جناب بس کیلے کا تو موسم ہی نہیں رہا، اس کا گاہک بھی آج کل ڈھونڈے نہیں ملتا، یہ دیکھیے پڑے پڑے کیلے کالے ہونے لگے ہیں، شکر ہے کوئی تو آیا" یہ سن کر کوئی بے وقوف ہی اس سے سودا خریدے گا۔افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم جس علم کو بیچ رہے ہیں اس کی قدر خود ہمارے دل میں بھی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ استاد کے ذریعے شاگردوں میں مایوسی منتقل ہورہی ہے۔

16۔اخلاقی جرات:

ایک اچھا استاذ اپنے اندر اخلاقی جرات رکھتا ہے۔یاد رہے کہ اخلاقی جرات کا تعلق اخلاق سے ہے، آپ کے اندر جتنی بھی بری باتیں ہوں جب تک ان سے جان نہیں چھڑالیتے اخلاقی جرات کا فقدان رہے گا۔

17۔قول وفعل میں مطابقت:

جس استاذ کے قول وفعل میں تضاد ہو وہ ایک بدنام اور ناکام مدرس ہے۔

18۔وضع قطع

استاذ کو چاہیے کہ اپنے باطن کی طرح ظاہر کو بھی اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔شریعت کے مطابق وضع قطع نہ صرف سنتِ نبوی کی اتباع ہے بلکہ اس سے آپ باوقار تشخص کی تعمیر کرسکیں گے۔

19۔للّٰھیت:

دینی خدمات محض تنخواہ کے لئے سرانجام نہ دے۔اس سے چاشنی اور لذت جاتی رہتی ہے۔اپنے کسی قول وفعل کے ذریعے شاگردوں کے سامنے بھی ایسا تاثر دینے سے باز رہے۔

20۔شاگردوں کے حق میں دعا گو:

اپنے شاگردوں کے لئے ہمیشہ دعا گو رہے۔یہ عمل اجر اور اخلاص بڑھانے کا بہترین ذریعہ ہے۔(اس ضمن میں ناقل (امیر حمزہ) مولانا جہانگیر صاحب کی (جنہوں نے اس سے پہلی نشست میں گفتگو

فرمائی) قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کردہ ایک بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہے، فرمایا کرتے تھے: استاذ کو اپنے شاگرد پر ہاتھ اٹھانے کا اس وقت تک کوئی حق نہیں جب تک اس کے لئے تہجد میں چالیس راتیں اللہ سے نہ مانگ لے)

نوٹ: کوشش کی گئی ہے حضرت کے ذکر کردہ ارشادات کا خلاصہ بیان کردیا جائے۔ تاہم کوئی بات قابلِ اعتراض محسوس ہو تو اسے میری طرف منسوب سمجھا جائے۔ یقیناً تعبیر کا سقم ہوگا۔ اللہ تعالی یہ لکھنا، نشر کرنا اور پڑھنا قبول فرمائے اور عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

• • •

ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے۔۔۔!!

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ چار سال مالٹا کی جیل میں گزارنے کے بعد جب واپس دارالعلوم دیوبند پہنچتے ہیں تو علما وطلبہ کا بہت بڑا مجمع حاضر ہوجاتا ہے، شیخ الہند مجمع کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ ہم نے مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوجاتا ہے کہ استاد العلماء، نے پچاس، ساٹھ سال درس دینے کے بعد جو دو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ مجمع سراپا اشتیاق وانتظار بنا بیٹھا ہے اور سننے کیلئے بیتاب ہے کہ اچانک شیخ الہند کی آواز کانوں سے ٹکراتی ہے۔

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے کیوں تباہ ہورہے ہیں تو اسکے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک مسلمانوں کا قرآن مجید کو چھوڑ دینا۔ اور دوسرا آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔

پھر فرمانے لگے کہ "اس لیئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً ومعناً عام کیا جائے۔۔۔ بچوں کیلئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کی باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نا کیا جائے۔

www.darultaqwa.org

حافظ محمد زاہد

حجِ بیت اللہ
شرائط' اقسام اور ادائیگی کا طریقہ

www.darultaqwa.org

توحید و رسالت کی شہادت کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلام کے عناصر اربعہ ہیں۔ ایسی کئی احادیث ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ نے ان پانچوں چیزوں کو اسلام کے ارکان اور ستون بتایا ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔"

ان عبادات میں سے نماز اور روزہ خالص بدنی، زکوٰۃ خالص مالی، جبکہ حج بدنی اور مالی عبادت کا مجموعہ ہے اس لیے کہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور انسانی جسم کی توانائیاں بھی۔

حج کی فرضیت کی شرائط

حج کی شرائط دو قسم کی ہیں۔

1...حج کے فرض ہونے کی شرائط

2...حج کی ادائیگی کی شرائط۔

حج ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے، بلکہ حج کے فرض ہونے کی چند شرائط ہیں، جو ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

1....مسلمان ہونا: حج اور اسلام کی باقی عبادات کے فرض ہونے کی اولین شرط اسلام ہے۔ کسی بھی غیر مسلم پر اسلام کی کوئی عبادت فرض نہیں ہے۔

2...آزاد ہونا: آزادی حج کی دوسری شرط ہے، اس لیے کہ غلام اگر اپنی غلامی کے دنوں میں کئی حج بھی کرلے، لیکن جب وہ آزاد ہوگا تو اس کے ذمے حج فرض ہوگا۔ اس نے جو غلامی کے دنوں میں حج کیے ہیں اُن کی حیثیت نفلی حج کی ہوگی۔

3... بالغ ہونا: حج کی تیسری شرط بلوغت ہے۔ اگر کوئی نابالغ حج کرتا ہے تو اس کا یہ حج نفلی شمار ہوگا اور جب وہ بالغ ہوگا تو اسے اپنا فرض حج ادا کرنا ہوگا..... نابالغ بچہ اگر اپنے والدین کے ساتھ حج پر جاتا ہے تو اس کو حج کے تمام افعال ادا کرنے چاہییں اور اگر وہ خود حج کے افعال ادا نہیں کرسکتا تو والدین کو چاہیے کہ وہ اسے اُٹھا کر سارے افعال ادا کریں، تاکہ اس بچہ کو بھی حج کا ثواب ملے۔

4...عاقل ہونا: اگر کوئی شخص پاگل یا مجنون ہے تو اس کے ذمے حج فرض نہیں ہے، اس لیے کہ پاگل اور مجنون شریعت کے کسی احکام کے مکلف ہی نہیں ہیں، اس لیے ان پر کچھ فرض نہیں، البتہ اگر کوئی پاگل یا مجنون تن درست ہوجائے تو اس کے ذمے حج فرض ہے۔

5...صاحب استطاعت وقدرت ہونا: اگر کسی شخص میں مندرجہ بالا چاروں شرائط موجود ہیں، لیکن اس کے پاس مکہ مکرمہ جانے کے لیے سواری، زادِراہ اور قدرت نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔ حج کے لیے ایک شرط صاحب استطاعت وصاحب قدرت ہونا ہے۔ اس بارے میں وضاحت قرآن وحدیث دونوں میں موجود ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا:

"اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔ اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔"

بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی یہ وضاحت موجود ہے، مثلاً حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص زادِراہ اور سواری کا مالک ہے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے اور وہ حج نہ کرے تو پھر کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ یہودی مرے یا عیسائی۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: "اللہ کے واسطے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اُس تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔"

حج کی ادائیگی کی شرائط

جس شخص میں حج کی فرضیت کی مندرجہ بالا پانچوں شرائط پائی جائیں تو اس پر حج فرض ہے۔اب اس حج کو ادا کرنے کا مرحلہ آتا ہے اور حج کی ادائیگی کی بھی مندرجہ ذیل چند شرائط ہیں۔یہ شرائط جس شخص میں پائی جائیں گی اس کے ذمے خود سے حج ادا کرنا ضروری ہوگا۔اس صورت میں یہ شخص اپنی جگہ کسی اور کو حج کے لیے نہیں بھیج سکتا۔

1...صحت مند ہونا: حج کی ادائیگی کی اولین شرط صحت مند اور تندرست ہونا ہے۔اگر کوئی شخص ایسا بیمار ہے کہ وہ مکہ مکرمہ کا سفر نہیں کرسکتا تو اس پر خود سے حج کی ادائیگی فرض نہیں ہے۔

2...راستے کا پرامن ہونا: اگر راستہ پرامن نہیں ہے تو اس صورت میں بھی اس شخص پر حج کی ادائیگی ضروری نہیں ہے، لیکن اب چوں کہ ہوائی جہاز جیسی سفری سہولیات میسر ہیں کہ انسان ہزاروں میل کا سفر گھنٹوں میں طے کرلیتا ہے تو اب یہ شرط تقریباً معدوم ہوچکی ہے۔

3....عورت کے لیے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا: مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ عورت پر حج فرض ہونے کی ایک اضافی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ شوہر یا محرم ہو۔عورت کا بغیر شوہر یا محرم کے حج کے سفر پر جانا جائز نہیں ہے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کوئی آدمی کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے اور نہ کوئی عورت سفر کرے مگر اس کے ساتھ محرم ہو"۔ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں فلاں غزوہ میں شرکت کے لیے میرا نام لکھ دیا گیا ہے اور میری بیوی حج کی ادائیگی کے لیے نکلی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جا اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کر!"

نوٹ: ہمارے معاشرے میں اس حوالے سے کافی کوتاہیاں دیکھنے میں آتی ہیں، مثلاً عورتیں بغیر محرم کے حج کے لیے چلی جاتیں ہیں۔ایک عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم ہوتا ہے تو دوسری عورت اس عورت کے ساتھ چلی جاتی ہے کہ چلو ایک کے ساتھ تو محرم ہے نا، حالاں کہ یہ سراسر غلط ہے۔منہ بولے بھائی محرم نہیں ہوتے، اس لیے ان کے ساتھ حج پر جانا جائز نہیں ہے۔پاکستانی قانون کے مطابق چوں کہ عورت بغیر محرم کے نہیں جاسکتی، اس لیے عورتیں گروپ لیڈر یا کسی غیر محرم کو محرم بنا کر حج پر چلی جاتی ہیں، ایسا کرنے میں دو گناہ لازم آتے ہیں، ایک غلط بیانی کا اور ایک بغیر محرم کے حج پر جانے کا۔

4...عورت کا عدت میں نہ ہونا: عورت کے لیے ایک اور اضافی شرط یہ بھی ہے کہ وہ عدت میں نہ ہو۔ عدت بھی حج کی ادائیگی کے لیے رکاوٹ ہے۔

نوٹ: یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ اگر کوئی عورت بغیر محرم کے یا عدت کے دوران حج پر چلی جاتی ہے تو اس صورت میں اس کا فرض حج تو ادا ہو جائے گا، لیکن بغیر محرم کے یا دورانِ عدت سفر کرنے کا گناہ اس کے سر رہے گا۔

حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے

شریعت کی رو سے پوری زندگی میں حج صرف ایک بار فرض ہے، اس کے بعد اگر کوئی حج کرتا ہے تو اس کی حیثیت نفل کی ہوگی۔ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا:

(یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا)

"اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، پس تم حج کرو۔"

ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ ہر سال فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے تین مرتبہ یہ سوال کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ)

"اگر میں ہاں کہہ دیتا تو پھر حج ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ہرگز طاقت نہ رکھتے۔"

استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کرنا مناسب نہیں!

ہمارے معاشرے میں یہ کوتاہی بہت عام ہوتی جارہی ہے کہ ایک شخص میں حج کے فرض ہونے اور حج کی ادائیگی کی تمام شرائط پائی جاتیں ہیں، لیکن وہ بلاوجہ حج کرنے میں تاخیر کرتا رہتا ہے۔ ایسا کرنے کی سخت وعید آئی ہے۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے علاوہ باقی تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کرتا ہے تو وہ اس تاخیر کی وجہ سے گناہگار ہے۔

دوسری کوتاہی یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کی اکثریت حج کے لیے بڑھاپے کا انتظار کرتی ہے اور اس وقت حج پر جاتی ہے جب ان میں کمزوری اس قدر ہو جاتی ہے کہ حج کے مناسک ادا کرنے میں ان کو بہت

تکلیف اور مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے۔اس حوالے سے ہمیں چاہیے کہ قدرت اور استطاعت ہوتے ہی حج کے لیے چلے جائیں اور اس معاملے میں صحت اور جوانی کو بیماری اور بڑھاپے پر ترجیح دیں۔

حج کی اقسام اور ان کی تعریف

حج کی ادائیگی کا طریقہ بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حج کی اقسام بیان کی جائیں۔حج کی تین قسمیں ہیں:

(۱) حج اِفراد: اِفراد کے لغوی معنی ہیں: اکیلا اور تنہا، جب کہ شرعی اصطلاح میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھ کر حج کے افعال ومناسک ادا کرنا اور عمرہ ساتھ نہ ملانا' حج اِفراد کہلاتا ہے۔حج اِفراد کرنے والے کو "مفرد" کہا جاتا ہے۔امام شافعیؒ کے نزدیک "حج افراد" افضل ہے۔(اس حوالے سے یہ یاد رکھیں کہ مفرد پر قربانی واجب نہیں' مستحب ہے، جب کہ حج کی باقی دونوں اقسام میں قربانی واجب ہوتی ہے۔)

حج قران: قران (ق کے کسرہ کے ساتھ) کے لغوی معنی ہیں: دو چیزوں کو باہم ملا دینا، جب کہ شرعی اصطلاح میں عمرہ اور حج دونوں کی نیت سے احرام باندھنا اور ایک ہی احرام کے ساتھ پہلے عمرہ اور پھر حج ادا کرنا اور درمیان میں احرام نہ کھولنا' حج قران کہلاتا ہے۔حج قران کرنے والے کو "قارن" کہا جاتا ہے۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حج قران افضل ہے۔

حج تمتع: تمتع کے لغوی معنی ہیں: نفع اٹھانا، جب کہ شرعی اصطلاح میں عازمِ حج کا میقات سے پہلے عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا اور عمرہ کے افعال ومناسک ادا کرنے کے بعد احرام کھول دینا اور پھر اسی سال حج کے دنوں میں حج کی نیت سے دوبارہ احرام باندھنا اور مناسک حج ادا کرنا' حج تمتع کہلاتا ہے۔حج تمتع کرنے والے کو "متمتع" کہا جاتا ہے۔امام اما لکؒ کے نزدیک حج تمتع افضل ہے۔

عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ

برصغیر اور خاص کر پاکستانیوں کی اکثریت حج تمتع کرتی ہے، اس لیے حج کی ادائیگی کے طریقہ کو بیان کرنے سے پہلے عمرہ کی ادائیگی کے طریقہ کو بیان کیا جاتا ہے۔عمرہ کے چار ارکان ہیں جن میں سے دو فرض اور دو واجب ہیں: سب سے پہلے عمرہ کی نیت کرتے ہوئے میقات سے احرام باندھیں اور احرام کے بعد تلبیہ کا ورد شروع کر دیں۔مسجد حرام آ کر طواف کریں۔یہ دونوں ارکان فرض ہیں۔صفا ومروہ کی سعی

کریں۔اوراس کے بعد حلق یا قصر کرا کے احرام کھول دے۔یہ دونوں ارکان واجب ہیں۔یہ چاروں ارکان ادا کرنے کے بعد عمرہ مکمل ہوگیا۔اب حج کے دنوں تک آپ جتنے چاہیں اس طریقہ پر عمرہ کریں۔یہاں یہ بات یادرکھیں کہ حج کے مخصوص پانچ دنوں یعنی 8 سے 12 ذوالحجہ تک عمرہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

حج کی ادائیگی کا طریقہ

آٹھ ذوالحجہ سے بارہ ذوالحجہ تک حج کے مخصوص پانچ دن ہیں۔ان پانچ دنوں میں حج کے تقریباً تمام فرائض وواجبات ادا ہوجاتے ہیں۔ذیل میں ہر روز کے مناسک وافعال کو ترتیب وار بیان کیا جارہا ہے:

حج کے پہلے دن (8 ذوالحجہ) کے افعال

☆...میقات سے احرام باندھنا: 8 ذوالحجہ کو نمازِ فجر مکہ میں باجماعت ادا کریں اور غسل یا وضو کر کے میقات جا کر احرام باندھ لیں۔اس کے بعد احرام کے دو رکعت نفل ادا کریں۔

☆...حج کی نیت کرنا اور تلبیہ پڑھنا: احرام کے نفل سے فارغ ہو کر حج کی نیت کریں اور یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہُ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ۔اس کے بعد تلبیہ پڑھیں اور دعا کریں۔اب احرام کی پابندیاں شروع ہوگئیں۔

☆...منیٰ روانگی اور وقوفِ منیٰ: طلوعِ آفتاب کے بعد منیٰ روانہ ہو جائیں۔ 8 ذوالحجہ کی ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں منیٰ میں باجماعت ادا کریں۔

نوٹ: اگر کوئی شخص 8 ذوالحجہ کو منیٰ نہیں جاتا اور مکہ مکرمہ میں ہی رہتا ہے اور یہی سے 9 ذوالحجہ کو عرفات کے لیے روانہ ہوجاتا ہے تو اس طرح کرنے سے مناسک حج کے حوالے سے تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی، اس لیے کہ 8 ذوالحجہ کو منیٰ میں حج کا کوئی مناسک ادا نہیں ہوتا، البتہ اس طرح کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ شخص اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔اس لیے افضل یہی ہے کہ سنت نبوی کی پاس داری کرتے ہوئے 8 ذوالحجہ کو منیٰ جائیں اور اگلے دن یہیں سے عرفات کے لیے روانہ ہوں۔

حج کے دوسرے دن (9 ذوالحجہ) کے افعال

☆...منیٰ میں نمازِ فجر کی ادائیگی اور تکبیر تشریق: 9 ذوالحجہ کو نمازِ فجر منیٰ میں ادا کریں۔9 ذوالحجہ کی نمازِ فجر سے 13 ذوالحجہ کی نمازِ عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے، اس لیے حاجی اور غیر حاجی

دونوں کو چاہیے کہ وہ ہر نماز کے بعد تکبیر تشریق کہے۔

☆...میدانِ عرفات روانگی اور وقوفِ عرفہ: طلوعِ آفتاب کے بعد غسل (جو کہ سنت ہے) یا وضو کر کے تلبیہ کہتے ہوئے عرفات روانہ ہو جائیں۔ اگر کوئی نمازِ فجر کے بعد اور طلوعِ آفتاب سے پہلے عرفات کی طرف روانہ ہو گیا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ زوال سے سورج غروب ہونے تک میدانِ عرفات میں وقوف کرنا حج کا سب سے بڑا رکن ہے۔ اگر کوئی حاجی زوال سے غروبِ آفتاب تک ایک لمحہ کے لیے بھی عرفات پہنچ گیا تو اس کا حج ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ((اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ)) یعنی اصل حج تو عرفہ ہی ہے۔

نوٹ: وقوفِ عرفہ کے موقع پر "جبل رحمت" کے پاس وقوف کریں، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس پہاڑ کے پاس وقوف کیا تھا۔

☆...دورانِ وقوفِ عرفہ تلبیہ، دعائیں اور استغفار کرنا: یہ وقت قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہے، اس لیے تمام وقت تلبیہ، خشوع و خضوع اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا اور استغفار میں مشغول رہیں۔ اپنے ماضی کے گناہوں اور کوتاہیوں پر اللہ کے حضور معافی کے اور اپنے مستقبل کے لیے گناہوں سے پاک زندگی کے طالب ہوں۔ وقوفِ عرفہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے مندرجہ ذیل دعا کو بہترین دعا قرار دیا ہے:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"

☆...عرفات میں نمازِ ظہر و عصر کی اکٹھی ادائیگی: عرفات کی مسجد نمرہ میں نمازِ ظہر و عصر، ظہر کے وقت میں ایک ساتھ باجماعت ادا کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ امام پہلے دو خطبے دے، جس میں حج کے مناسک کے بارے میں لوگوں کو آگاہی دے اور دو خطبوں کے درمیان جمعہ کے خطبوں کی طرح بیٹھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر مؤذن نمازِ ظہر کی اقامت کہے اور امام ظہر کی نماز پڑھائے۔ پھر مؤذن نمازِ عصر کے لیے اقامت کہے اور امام عصر کی نماز پڑھائے۔ اگر کسی نے ظہر کی نماز اپنے خیمہ میں اکیلے ادا کی تو وہ ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی ادا نہیں کرے گا، بلکہ وہ ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں ادا کرے گا۔

☆...غروبِ آفتاب کے وقت مزدلفہ روانگی: غروبِ آفتاب کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر، تلبیہ کہتے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جائیں۔

☆...وقوفِ مزدلفہ اور نماز مغرب وعشا کی اکٹھی ادائیگی: مزدلفہ پہنچ کر مغرب وعشا کی نمازیں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ عشا کے وقت میں باجماعت ادا کریں۔ پہلے مغرب کے تین فرض ادا کریں' پھر تکبیر تشریق اور تلبیہ پڑھیں۔اس کے بعد ساتھ ہی عشا ادا کریں اور تکبیر تشریق اور تلبیہ پڑھیں۔پھر مغرب کی دو سنتیں' پھر عشا کی دو سنتیں اور پھر وتر ادا کریں۔اگر کسی نے مزدلفہ پہنچنے سے پہلے ہی مغرب کی نماز پڑھ لی تو اس کی نماز نہ ہوگی اور اس کے ذمے مزدلفہ پہنچ کر ماقبل بیان کردہ ترتیب سے دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہوگا۔

نوٹ: وقوفِ عرفہ کے دوران اگر حاجی بغیر جماعت کے اپنے خیموں میں نماز پڑھیں تو ان کے لیے حکم تھا کہ وہ ظہر کو ظہر کے وقت میں اور عصر کو عصر کے وقت میں ادا کریں' لیکن وقوفِ مزدلفہ میں مغرب اور عشا کی نمازیں اکٹھی عشا کے وقت ادا کرنی ہیں، چاہے جماعت کے ساتھ پڑھیں یا الگ الگ۔

☆...مزدلفہ میں ذکر واذکار اور دعائیں کرنا: یہ بڑی فضیلت والی اور مبارک رات ہے' اس میں زیادہ سے زیادہ ذکر وتلاوت' تلبیہ اور دُعاؤں کا اہتمام کریں۔اس رات اپنے پروردگار کو اس خشوع و خضوع سے یاد کریں کہ دل میں اللہ رب العزت کے علاوہ کسی کی یاد نہ ہو۔بالفاظِ قرآنی:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ﴾
(البقرۃ:198)

"پس اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک (مشعر حرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقع ہے) اور اس کو ایسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔"

حج کے تیسرے دن (10 ذوالحجہ) کے افعال

☆...مزدلفہ میں نمازِ فجر ادا کرنا: وقوفِ مزدلفہ کی رات دعاؤں میں مشغول ہو کر گزارنے کے بعد فجر کی نماز اول وقت میں باجماعت ادا کریں۔پھر سورج نکلنے تک ذکر واذکار' دعا واستغفار اور تلبیہ میں مشغول رہتے ہوئے وہیں وقوف کریں۔

نوٹ: مزدلفہ میں جبل قُزح کے قریب وقوف کریں، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی پہاڑ کے قریب وقوف کیا تھا۔

☆...مزدلفہ سے کنکریاں اُٹھانا: اس دوران مزدلفہ سے کنکریاں اُٹھائیں، جو جمرات کو مارنے کے

لیے استعمال کی جائیں گی۔ ہر حاجی چنے یا کھجور کی گٹھلی کے برابر ستر کنکریاں مزدلفہ سے اٹھائے۔

☆...منیٰ روانگی اور جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی: طلوعِ آفتاب کے وقت منیٰ روانہ ہو جائیں اور منیٰ پہنچ کر سب سے پہلے جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کیجیے۔ 10 ذوالحجہ کو صرف بڑے شیطان کی رمی کی جاتی ہے۔ اس دن رمی کا افضل وقت طلوعِ آفتاب سے زوال تک ہے، لیکن اس کا جائز وقت 10 ذوالحجہ کے طلوعِ آفتاب سے لے کر اگلے دن 11 ذوالحجہ کے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

رمی کا طریقہ: 10 ذوالحجہ کو صرف بڑے شیطان کی، جب کہ اگلے دونوں دن تینوں جمرات کی رمی کی جاتی ہے، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ رمی کا سنت طریقہ بھی ذکر کر دیا جائے۔

رمی کا طریقہ یہ ہے کہ سات کنکریاں ہاتھ میں لے کر اس طرح کھڑے ہوں کہ منیٰ آپ کے دائیں جانب اور مکہ مکرمہ بائیں جانب ہو۔ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے پکڑ کر ایک ایک کنکری ستون پر مارتے جائیں (کنکر کا احاطے میں گرنا کافی ہے، ستون کو لگنا ضروری نہیں)۔ ہر کنکری مارتے وقت "بسم اللہ اللہ اکبر" کہیں اور یہ دعا پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا

"اے اللہ! میرے حج کو قبول فرما اور میرے گناہوں کو بخش دے۔"

نوٹ: رمی کے دوران تلبیہ پڑھنا بند کر دیں اور جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی کے بعد اُس کے پاس کھڑے ہو کر دعا نہ مانگیں۔

☆...قربانی کرنا: رمی کے بعد قربانی کیجیے۔ قربانی کرنا واجب ہے۔ اس قربانی کے لیے تین دن، یعنی 10، 11، 12 ذوالحجہ مقرر ہیں۔ ان دنوں میں جب چاہیں قربانی کر لیجیے، جب کہ پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے۔

☆...حلق یا قصر کروانا: قربانی کرنے کے بعد مرد پورے سر کے بال منڈوائیں یا پورے سر کے بال انگلی کے پور سے کچھ زیادہ کاٹیں، مگر منڈوانا افضل ہے۔ خواتین پورے سر کے بال انگلی کے پور سے کچھ زیادہ کتروائیں۔ تاہم چوتھائی سر کے بال کٹ جانے کا اطمینان ضرور کر لیں۔ حلق یا قصر کی شرعی حیثیت فرض کی ہے اور اس کے بعد سوائے ازدواجی تعلق قائم کرنے کے احرام کی باقی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

نوٹ: ماقبل 10 ذوالحجہ کے جو تین مناسک: جمرۂ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی۔ قربانی اور حلق یا قصر ذکر کیے ہیں، ان کو اسی ترتیب سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر کسی نے اس ترتیب کے اُلٹ کیا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

☆...طوافِ زیارت: حلق یا قصر کے بعد غسل کیجیے۔ پھر سلے ہوئے کپڑے پہن کر یا احرام ہی کی چادروں میں مکہ جا کر طواف کیجیے۔ اس کا وقت حلق سے فارغ ہونے کے بعد 12 ذوالحجہ کے غروب آفتاب تک ہے۔ افضل یہی ہے کہ 10 ذوالحجہ ہی کو کر لیا جائے، ورنہ 12 ذوالحجہ تک کبھی بھی کیا جا سکتا ہے۔ طوافِ زیارت کی شرعی حیثیت فرض کی ہے۔

☆...صفا و مروہ کی سعی: طوافِ زیارت اور دو رکعت نمازِ طواف سے فارغ ہو کر صفا و مروہ کی سعی کریں۔ صفا مروہ کی سعی کرنا واجب ہے۔

نوٹ: اگر حاجی نے مکہ آنے کے بعد طواف قدوم (یعنی استقبالی طواف) کیا اور اس طواف میں رمل (طواف کے پہلے تین چکروں میں اکڑ کر چلنا) بھی کیا اور اس کے بعد صفا و مروہ کی سعی بھی کی تو اب اس حاجی کے لیے طواف زیارت میں نہ تو رمل ہے اور نہ اس پر سعی واجب ہے۔ اور اگر حاجی نے مکہ آنے کے بعد طواف قدوم نہیں کیا تو اب وہ طواف زیارت میں رمل بھی کرے گا اور اس کے بعد سعی کرنا بھی اس پر واجب ہے۔

☆...منیٰ واپسی: 10 ذوالحجہ کو مندرجہ بالا تمام افعال و مناسک کی ادائیگی کے بعد منیٰ واپس آجائیں اور رات منیٰ میں ہی گزاریں۔

حج کے چوتھے دن (11 ذوالحجہ) کے افعال

☆...تینوں جمرات کی رمی: 11 ذوالحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کریں، بایں طور کہ پہلے جمرۂ اولیٰ (چھوٹا شیطان) کو سات کنکریاں ماریں، پھر اس کے پاس کچھ دیر قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا مانگیں۔ پھر جمرۂ وسطیٰ (درمیانہ شیطان) کو سات کنکریاں ماریں اور دعا مانگیں۔ پھر جمرۂ عقبہ (بڑا شیطان) کو سات کنکریاں ماریں، لیکن اس کے پاس نہ کھڑے ہو اور نہ دعا مانگیں۔ اس دن رمی کا سنت وقت زوال سے غروب آفتاب سے پہلے تک ہے، جب کہ اس کا جائز وقت زوال سے صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔ رمی سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آجائیں۔

حج کے پانچویں دن (12 ذوالحجہ) کے افعال

☆...تینوں جمرات کی رمی: اس دن بھی زوال کے بعد غروب آفتاب سے پہلے تینوں جمرات کی رمی کریں، جس طرح گذشتہ روز 11 ذوالحجہ کو تینوں جمرات کی رمی کی تھی۔

13 ذوالحجہ کو منیٰ رکنے اور مکہ جانے کا اختیار

☆...رکنا یا جانا: 12 ذوالحجہ کو جمرات کی رمی سے فارغ ہونے کے بعد حاجی کو اختیار ہے کہ مکہ چلا جائے۔ اور اگر وہ مکہ نہیں جاتا اور واپس منیٰ چلا جاتا ہے تو اب اس کے ذمے 13 ذوالحجہ کو بھی زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرنا لازم ہے (اگر طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے رمی کرلے تو بھی جائز ہے)۔ افضل یہی ہے کہ حاجی 13 ذوالحجہ کو بھی منیٰ میں ٹھہرے اور تینوں جمرات کی رمی کر کے پھر مکہ واپس جائے۔ اس لیے کہ احادیث میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر 12 ذوالحجہ کو جمرات کی رمی کے بعد منیٰ واپس گئے اور پھر 13 ذوالحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کی اور پھر مکہ روانہ ہوئے۔

☆...مکہ واپسی پر وادیٔ محصب میں جانا: 12 یا 13 ذوالحجہ کو جب حاجی مکہ کی طرف واپسی کا کوچ کرے تو اس کو چاہیے کہ منیٰ اور مکہ کے درمیان وادیٔ محصب میں کچھ دیر قیام کرے، اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ پر کچھ دیر قیام کیا تھا۔ یہاں کچھ دیر قیام کرنا سنت ہے۔

طوافِ وداع

مندرجہ بالا افعال ومناسک ادا کرنے کے بعد آپ کا حج پایہ تکمیل تک پہنچ گیا۔ البتہ ایک طواف رہ گیا جس کا وقت مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے کا ہے۔ اس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے۔ اس طواف کی شرعی حیثیت واجب کی ہے اور اس کا طریقہ عام نفل طواف کی طرح ہے، یعنی نہ اس میں رمل ہوگا اور نہ ہی اس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی ہوگی، البتہ طواف کے دو نفل ضروری ہیں۔

ہے زاہد کے لبوں پہ بس اِک ہی دعا
یارب! مجھے بھی تو بیت اللہ دکھا دے!

• • •

از: مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
نگراں شعبہ تخصص فی الفقہ جامعہ بنوری ٹاؤن

قربانی کا معنی ومفہوم اور مختصر تاریخ

قربانی کی اِبتدا

حلال جانور کو بنیتِ تقرب ذبح کرنے کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل وقابیل کی قربانی سے ہی شروع ہوجاتی ہے، یہ سب سے پہلی قربانی تھی، حق تعالیٰ جلّ شانہٗ کا اِرشاد ہے: "وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ م اِذْقَرَّ بَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ"۔(۱)

ترجمہ:۔"اور آپ اہلِ کتاب کو آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجیے، جب ان میں سے ہر ایک نے اللہ کے لیے کچھ نیاز پیش کی تو ان میں سے ایک کی نیاز مقبول ہوگئی، اور دُوسرے کی قبول نہیں کی گئی"۔

علامہ اِبن کثیر رحمہ اللہ نے اِس آیت کے تحت حضرت اِبن عباس رَضی اللہ عنہ سے رِوایت نقل کی ہے کہ ہابیل نے مینڈھے کی قربانی کی اور قابیل نے کھیت کی پیداوار میں سے کچھ غلہ صدقہ کرکے قربانی پیش کی، اُس زمانے کے دستور کے موافق آسمانی آگ نازل ہوئی اور ہابیل کے مینڈھے کو کھا لیا، قابیل کی قربانی کو چھوڑ دِیا۔(۲)

اِس سے معلوم ہوا کہ قربانی کا عبادت ہونا حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور اس کی

حقیقت تقریباً ہر ملت میں رہی؛ البتہ اس کی خاص شان اور پہچان حضرت اِبراہیم وحضرت اِسماعیل علیہما السلام کے واقعہ سے ہوئی، اور اسی کی یادگار کے طور پر اُمتِ محمدیہ پر قربانی کو واجب قرار دیا گیا۔

قربانی کی حقیقت قرآنِ کریم کی روشنی میں

قرآنِ کریم میں تقریباً نصف درجن آیاتِ مبارکہ میں قربانی کی حقیقت، حکمت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ سورہ حج میں ہے:

ترجمہ:۔"اور ہم نے تمہارے لیے قربانی کے اُونٹوں کو عبادتِ اِلٰہی کی نشانی اور یادگار مقرر کیا ہے، ان میں تمہارے لیے اور بھی فائدے ہیں، سو تم اُن کو نحر کرتے وقت قطار میں کھڑا کر کے اُن پر اللہ کا نام لیا کرو اور پھر جب وہ اپنے پہلو پر گر پڑیں تو اُن کے گوشت میں سے تم خود بھی کھانا چاہو تو کھاؤ اور فقیر کو بھی کھلاؤ، خواہ وہ صبر سے بیٹھنے والا ہو یا سوال کرتا پھرتا ہو، جس طرح ہم نے اِن جانوروں کی قربانی کا حال بیان کیا، اِسی طرح اُن کو تمہارا تابع دار بنایا؛ تاکہ تم شکر بجالاؤ! اللہ تعالیٰ کے پاس ان قربانیوں کا گوشت اور خون ہرگز نہیں پہنچتا؛ بلکہ اس کے پاس تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے لیے اِس طرح مسخر کر دِیا ہے؛ تاکہ تم اس احسان پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرو کہ اس نے تم کو قربانی کی صحیح راہ بتائی، اور اے پیغمبر! مخلصین کو خوش خبری سنا دیجیے"۔

سورہ حج ہی میں دوسرے مقام پر اسے شعائر اللہ میں سے قرار دیتے ہوئے اس کی عظمت بتائی گئی اور قربانی کی تعظیم کو دل میں پائے جانے والے تقویٰ خداوندی کا مظہر قرار دِیا ہے۔

۳:۔"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (۳۲)"۔(۳)

ترجمہ:"اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور یادگاروں کا پورا احترام قائم رَکھے تو ان شعائر کا یہ احترام دِلوں کی پرہیزگاری سے ہوا کرتا ہے"۔

سابق انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں میں قربانی کا تسلسل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت تک پہنچتا ہے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ قربانی ذبح کی جاتی اور وقت کے نبی علیہ السلام دُعا مانگتے اور آسمان سے خاص کیفیت کی آگ اُترتی اور اُسے کھا جاتی جسے قبولیت کی علامت سمجھا جاتا تھا، قرآنِ کریم میں ہے:

۴:۔"اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ

النَّارُ"۔(۴)

ترجمہ:۔"یہ لوگ ایسے ہیں جو یوں کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دے رکھا ہے کہ ہم کسی رسول کی اُس وقت تک تصدیق نہ کریں؛ جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے کہ اُس کو آگ کھا جائے"۔

قربانی کی تاریخ پہلے اِنسان ہی سے شروع ہوجاتی ہے:

ترجمہ:۔"اور آپ اہل کتاب کو آدَم کے دو بیٹوں کا واقعہ صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجئے، جب اُن میں سے ہر ایک نے اللہ کے لیے کچھ نیاز پیش کی تو اُن میں سے ایک کی نیاز مقبول ہوگئی، اور دُوسرے کی قبول نہیں کی گئی"۔(۵)

۶:- "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ(۱۶۲)"(۶)

آیت بالا کے تحت امام جصاص رَازیؒ لکھتے ہیں:

ترجمہ:۔"نسک" سے مراد قربانی ہے؛ اس لیے کہ اُس کا نام "نسک" بھی ہے، اِسی طرح ہر وہ جانور جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے ذبح کیا جائے وہ "نسک" کہلاتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ"۔(۷)

قربانی کے اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے ایک اور انداز سے نماز کے تتمے کے طور پر یوں ذِکر فرمایا "فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ" ابن کثیر اِس آیت کے تحت رَقمطراز ہیں:

"حضرت اِبن عباس رَضی اللہ عنہما، حضرت عطا، مجاہد، عکرمہ رحمہم اللہ سمیت متعدد مفسرین فرماتے ہیں کہ "وانحر" سے اُونٹ کا "نحر" ہی مطلوب ہے جو قربانی کے جانے والے جانور میں سے بڑا جانور ہے"۔(۸)

اِس سے فقہا نے مسئلہ بھی اخذ فرمایا ہے کہ عیدالاضحیٰ پڑھنے وَالے لوگوں پر لازم ہے کہ وہ نماز عید پہلے ادا کرلیں، اس کے بعد قربانی کریں، جن لوگوں پر عید کی نماز فرض ہے، اگر اُنہوں نے عید سے پہلے قربانی کر دِی تو اُن کی قربانی نہیں ہوگی۔

ترجمہ:۔"تاکہ یہ سب آنے وَالے اپنے اپنے فائدوں کی غرض سے پہنچ جائیں اور تاکہ قربانی کے مقررَہ دِنوں میں خدا کا نام لیں جو خدا نے ان کو عطاء کیے ہیں، سوائے اُمت محمدیہ! تم ان قربانیوں میں سے

خود بھی کھانا چاہو تو کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ"۔(۹)

اِس آیت میں بھی قربانی ہی کا ذِکر ہے۔ ہر قوم میں نسک اور قربانی رَکھی گئی، جس کا بنیادِی مقصد خالق کائنات کی یاد، اس کے احکام کی بجا آوری اس جذبے کے ساتھ کہ یہ سب کچھ اللہ کی عطا اور دین ہے، یہاں بھی اِنسان کی قلبی کیفیت کا ایسا اِنقلاب مقصود ہے کہ وہ مال ومتاع کو اپنا نہ سمجھے؛ بلکہ دِل وجان سے اس عقیدے کی مشق کرے کہ حق تعالیٰ ہی اس کا حقیقی مالک ہے، گویا قربانی کا عمل فتنۂ مال سے حفاظت کا دَرس دیتا ہے۔

قربانی احادِیث مبارکہ کی روشنی میں

ترجمہ:۔"حضرت عائشہ رَضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اِبن آدم (اِنسان) نے قربانی کے دِن کوئی ایسا عمل نہیں کیا، جو اللہ کے نزدِیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادَہ پسندیدہ ہو، اور قیامت کے دِن وہ ذبح کیا ہوا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوجاتا ہے، لہٰذا تم اس کی وَجہ سے (قربانی کرکے) اپنے دِلوں کو خوش کرو"۔(۱۰)

ترجمہ:۔"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ راوِی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رَضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: تمہارے باپ اِبراہیم علیہ السلام کا طریقہ (یعنی اُن کی سنت) ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ پھر اس میں ہمارے لیے کیا (اجر وثواب) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وَسلم نے فرمایا: (جانور کے) ہر بال کے بدلے ایک نیکی، اُنہوں نے عرض کیا کہ (دُنبہ وَغیرہ اگر ذبح کریں تو اُن کی) اُون (میں کیا ثواب ہے؟) فرمایا: کہ اُون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی"۔(۱۱)

ترجمہ:۔"حضرت اِبن عباسؓ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے عید الاضحیٰ کے دِن اِرشاد فرمایا: آج کے دِن کسی آدمی نے خون بہانے سے زیادَہ افضل عمل نہیں کیا، ہاں! اگر کسی رِشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک اس سے بڑھ کر ہو تو ہو"۔(۱۲)

ترجمہ:۔"حضرت علی رَضی اللہ عنہ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم نے (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے) فرمایا: اے فاطمہ! اُٹھو اور اپنی قربانی کے پاس (ذبح کے وقت) موجود رہو؛ اِس لیے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے کے ساتھ ہی تمہارے تمام گناہ معاف ہوجائیں گے، یہ قربانی کا جانور

قیامت کے دِن اپنے گوشت اور خون کے ساتھ لایا جائے گا اور تمہارے ترازو میں ستر گنا (زیادہ) کر کے رَکھا جائے گا، حضرت ابوسعیدؓ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! یہ فضیلت خاندانِ نبوت کے ساتھ خاص ہے جو کسی بھی خیر کے ساتھ مخصوص ہونے کے حق دار ہیں یا تمام مسلمانوں کے لیے ہے؟ فرمایا: یہ فضیلت آلِ محمد کے لیے خصوصاً اور عموماً تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے"۔(۱۳)

ترجمہ:۔"حضرت علی رَضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! تم قربانی کرو اور ان قربانیوں کے خون پر اجر وثواب کی اُمید رَکھو؛ اِس لیے کہ (اُن کا) خون اگرچہ زمین پر گرتا ہے؛ لیکن وہ اللہ کے حفظ وامان میں چلا جاتا ہے"۔(۱۴)

ترجمہ:۔"حضرت ابوہریرہ رَضی اللہ عنہ سے رِوَایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص قربانی کرنے کی گنجائش رَکھتا ہو پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہمارِی عیدگاہ میں نہ آئے"۔(۱۵)

قربانی کا فلسفہ

ترجمہ:۔"اور دُوسرا (عید الاضحیٰ) وہ دِن ہے کہ جس میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے ذبح (کا اِرادہ کیا)، اور اللہ کا اُن پر اِنعام ہوا کہ حضرت اِسماعیل علیہ السلام کے بدلے عظیم ذبیحہ (جنتی مینڈھا) عطا فرمایا؛ اِس لیے کہ اس میں ملت اِبراہیمی کے ائمہ کے حالات کی یاد دِہانی ہے، اللہ کی اِطاعت میں اُن کے جان ومال کو خرچ کرنے اور اِنتہائی دَرجہ صبر کرنے کے وَاقعہ سے لوگوں کو عبرت دِلانا مقصود ہے، نیز اس میں حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہے اور ان کی عظمت ہے اور جس کام میں وہ مشغول ہیں اُس میں اُن کو رَغبت دِلانا ہے، یہی وَجہ ہے کہ تکبیرات (تشریق) کو مسنون کیا گیا ہے"۔(۱۶)

قربانی کی حقیقت

مندرجہ بالا آیات واحادِیث کی روشنی میں قربانی کی حقیقت معلوم ہوئی، اس کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا چاہیں تو یوں کہا جاسکتا ہے:

۱:-قربانی سنت اِبراہیمی کی یادگار ہے۔

۲:-قربانی کی ایک صورَت ہے اور ایک رُوح ہے، صورَت تو جانور کا ذبح کرنا ہے، اور اس کی حقیقت

اِیثارِ نفس کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور تقرب اِلی اللہ ہے۔(۱۷)

اصل میں قربانی کی حقیقت تو یہ تھی کہ عاشق خود اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرتا، مگر خدا تعالیٰ کی رحمت دیکھئے، ان کو یہ گوارا نہ ہوا، اِس لیے حکم دِیا کہ تم جانور کو ذبح کرو ہم یہی سمجھیں گے کہ تم نے خود اپنے آپ کو قربان کر دِیا۔ اِس وَاقعہ (ذبح اِسماعیل علیہ السلام) سے معلوم ہوا کہ ذبح کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے، چنانچہ اس سے اِنسان میں جاں سپاری اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہی اس کی رُوح ہے تو یہ رُوح صدقہ سے کیسے حاصل ہوگی؟ کیونکہ قربانی کی رُوح تو جان دینا ہے اور صدقہ کی رُوح مال دینا ہے، نیز صدقہ کے لیے کوئی دِن مقرر نہیں، مگر اس کے لیے ایک خاص دِن مقرر کیا گیا ہے اور اس کا نام بھی یوم النحر اور یوم الاضحیٰ رکھا گیا ہے۔(۱۸)

قربانی کی اصل حکمت وفلسفہ

حضرت شاہ وَلی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ترجمہ:"(حج کے موقع پر) ہدی میں حکمت یہ ہے کہ اس میں حضرت اِبراہیم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ہے، اُنہوں نے اپنے رَب کے حکم بجا آوری اور اس کی طرف توجہ کی نیت سے اس جگہ اپنے بیٹے حضرت اِسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنا چاہا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اِسماعیل علیہ السلام پر جو اِنعامات کیے ہیں، اُن کی یاد دہانی ہوتی ہے، اور حج تمتع وقران کرنے والے پر یہ ہدی واجب ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا ہو کہ اس نے معاملے میں جاہلیت کے وبال کو دُور کر دِیا"۔(۱۹)

قربانی کا حکم

قربانی کی دو قسمیں ہیں: ایک واجب، دوسری مستحب۔

اگر کوئی آدمی، عاقل، بالغ آزاد، مقیم، مسلمان اور مال دار ہو تو اس پر قربانی کرنا واجب ہے، اور قربانی نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔

اگر کوئی مسلمان سفر میں ہو یا فقیر وغریب ہو یا محتاج ہو اور قربانی کرے تو یہ مستحب ہے۔ جس طرح زکوٰۃ صاحب نصاب مسلمان پر الگ الگ لازم ہوتی ہے، اِسی طرح قربانی بھی ہر صاحب نصاب پر الگ الگ لازم ہوگی، چنانچہ ایک قربانی ایک گھرانے کی طرف سے کافی ہونے کا خیال دُرست نہیں ہے اور ہر

مال دَار مقیم مسلمان شخص پر قربانی اس کے اپنے نفس اور ذَات پر وَاجب ہوتی ہے، اِس لیے پورے گھر، خاندان یا کنبے کی طرف سے ایک آدمی کی قربانی کافی نہیں ہوگی، بلکہ ہر صاحب نصاب پر الگ الگ قربانی لازم ہوگی، ورنہ سب لوگ گنہگار ہوں گے، ہاں مردوں کے اِیصالِ ثواب کے لیے ایک قربانی کئی افراد کے ثواب کی نیت سے کر سکتے ہیں۔

مردوں کے اِیصالِ ثواب کے لیے یا زندہ لوگوں کو ثواب پہنچانے کے لیے قربانی کرنا جائز ہے، اگر کسی آدمی نے قربانی کی نذر مانی یا فقیر نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اُن پر قربانی واجب ہے۔

وجوبِ قربانی کی شرائط

کسی شخص پر قربانی اُس وقت واجب ہوتی ہے، جب اس میں چھ شرائط پائی جائیں: اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو قربانی کا وجوب ساقط ہوجائے گا اور قربانی وَاجب نہ رہے گی۔

۱- عاقل ہونا، کسی پاگل، مجنون وَغیرہ پر قربانی وَاجب نہیں۔

۲- بالغ ہونا، نابالغ پر قربانی نہیں خواہ مال دَار ہی ہو، اگر کوئی ایامِ قربانی میں بالغ ہوا اور مال دار ہے تو اُس پر قربانی واجب ہے۔

۳- آزاد ہونا، غلام پر قربانی نہیں۔

۴- مقیم ہونا، مسافر پر قربانی وَاجب نہیں۔ ہاں! اگر مسافر مال دَار ہے اور قربانی کرتا ہے تو اس کو قربانی کرنے کا ثواب ضرور ملے گا۔

۵- مسلمان ہونا، غیر مسلم پر (خواہ کسی مذہب کا ہو) قربانی واجب نہیں۔ ہاں اگر کوئی غیر مسلم ایامِ قربانی میں مسلمان ہوگیا اور وہ صاحبِ نصاب ہو تو اُس پر بھی قربانی واجب ہے۔

۶- صاحب نصاب ہونا، لہٰذا فقیر پر قربانی واجب نہیں، لیکن اگر فقیر اپنی خوشی سے قربانی کرے تو اسے ثواب ملے گا۔ اگر کسی آدمی کے پاس نصاب کی مقدار رقم موجود ہو، مگر اُس پر اِتنا قرض ہو جو اگر وہ ادَا کرے تو اس کو صاحب نصاب ہونے سے نکال دے، ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ہر عاقل، بالغ، آزاد، مقیم، مسلمان اور صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے۔

وجوبِ قربانی کا نصاب

قربانی ہر اُس عاقل، بالغ، مقیم، مسلمان پر واجب ہوتی ہے جو نصاب کا مالک ہو یا اس کی ملکیت میں ضرورتِ اصلیہ سے زائد اِتنا سامان ہو جس کی مالیت نصاب تک پہنچتی ہو اور اس کے برابر ہو، نصاب سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس ساڑھے سات تولہ صرف سونا یا ساڑھے باوَن تولہ چاندی یا اُس کی قیمت کے برابر نقد رَقم ہو یا ضرورَتِ اصلیہ سے زائد اِتنا سامان ہو جس کی قیمت ساڑھے باوَن تولہ چاندی کے برابر ہو۔

وَاضح رہے کہ ضرورتِ اصلیہ سے مراد وہ ضرورت ہے جو اِنسان کی جان یا اس کی عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ضروری ہو، اُس ضرورت کے پورا نہ ہونے کی صورت میں جان جانے یا ہتک آبرو کا اندیشہ ہو، مثلاً کھانا، پینا، رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے، اہل صنعت وحرفت کے اوزار، سفر کی گاڑی، سواری وَغیرہ، نیز اس کے لیے اُصول یہ ہے کہ جس پر صدقہ فطر واجب ہے اُس پر قربانی بھی واجب ہے یعنی نصاب کے مال کا تجارَت کے لیے ہونا یا اُس پر سال گزرنا ضروری نہیں، چونکہ نصاب کے لیے ضرورَتِ اصلیہ سے زائد مال کا اعتبار ہوتا ہے، اِس لیے یاد رکھنا چاہیے کہ بڑی بڑی دیگیں، بڑے فرش، شامیانے، ریڈیو، ٹیپ رِیکارڈر، عام رِیکارڈر، ٹیلی وِیژن، وِی سی آر یہ ضرورت میں دَاخل نہیں، اگر ان کی قیمتیں نصاب تک پہنچ جائیں تو بھی ایسے شخص پر قربانی واجب ہوگی۔

اگر کسی کے پاس مالِ تجارت، مثلاً: شیئرز، جیولری کا کام، فریج، گاڑیاں، پنکھے وَغیرہ کسی طرح کا مال ہو اور بقدرِ نصاب یا اس سے زیادَہ ہو تو اُس پر بھی قربانی وَاجب ہے۔ اگر کوئی فقیر آدمی قربانی کے ایام میں سے کسی دِن بھی صاحب نصاب ہوگیا تو اُس پر قربانی وَاجب ہوجائے گی۔ اگر کوئی صاحب نصاب کافر قربانی کے ایام میں مسلمان ہوجائے تو اُس پر قربانی لازم ہوگی۔ اگر عورَت صاحب نصاب ہو تو اُس پر بھی قربانی وَاجب ہے، بیوی کی قربانی شوہر پر لازم نہیں، اگر بیوی کی اِجازت سے کرلے تو ہوجائے گی۔

بعض لوگ نام بدل کر قربانی کرتے رہتے ہیں، باوجود یہ کہ دونوں میاں بیوی صاحب نصاب ہوتے ہیں، مثلاً: ایک سال شوہر کے نام سے، دوسرے سال بیوی کے نام سے، تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوتی بلکہ ہر صاحب نصاب میاں، بیوی پر علیحدہ علیحدہ قربانی ہوتی ہے۔

اگر بیوی کا مہر موجل (یعنی اُدھار) ہے جو شوہر نے ابھی تک نہیں دِیا اور وہ نصاب کے برابر ہے تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ اور اگر مہر معجّل (یعنی فوری طور پر نقد) ہے اور نصاب کے برابر یا اُس سے زیادَہ ہے تو اس پر بھی قربانی وَاجب ہے۔ اگر مشترک کارُوبار کی مالیت تقسیم کے بعد ہر ایک کو بقدرِ نصاب یا اُس سے زائد پہنچتی ہو تو سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر کاشت کار، کسان کے پاس ہل چلانے اور دُوسری ضرورَت سے زائد اِتنے جانور ہوں جو بقدرِ نصاب ہوں تو اُس پر قربانی ہوگی اور اگر وہ جانور نصاب کی مقدار کے برابر نہ ہوں تو واجب نہ ہوگی۔ اگر کسی کے پاس کتب خانہ ہے اور مطالعہ کے لیے کتب رکھی ہیں تو اگر وہ خود تعلیم یافتہ نہیں اور کتابوں کی قیمت نصاب تک پہنچی ہوئی ہے تو اُس پر قربانی واجب ہے اور اگر صورَتِ مذکورَہ میں وہ تعلیم یافتہ ہے تو قربانی وَاجب نہیں ہوگی۔ ہر سرکارِی وغیر سرکارِی ملازم جس کی تنخواہ اِخراجات نکالنے کے بعد نصاب کے بقدر یا اس سے زائد بچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔

حوالہ جات

(۱) المائدہ: ۱۸۳ (۲) تفسیر ابن کثیر ۲/ ۵۱۸ (۳) الحج:
(۴) آل عمران: ۳۸۱ (۵) المائدہ: ۲۷ (۶) انعام: ۱۶۲
(۷) احکام القرآن ۳/ ۳۶ (۸) ابن کثیر، ۶/ ۵۵۶، مکتبہ فاروقیہ پشاور (۹) الحج: ۸۳
(۱۰) مشکوٰۃ المصابیح (۱۱) مشکوٰۃ: ۱۲۹ (۱۲) الترغیب والترہیب: ۲/ ۲۷۷
(۱۳) الترغیب والترہیب: ۲/ ۲۷۷۔۲۷۸ (۱۴) ایضاً: ۲۷۸
(۱۵) ایضاً (۱۶) حجۃ اللہ البالغہ: ۲/ ۱۰۰ (۲۲) سنت حضرت خلیل، قاری طیبؒ ص: ۹
(۱۷) ایضاً، ص: ۱۶ (۱۸) حجۃ اللہ البالغہ، ابواب الحج، ۲/ ۶۸

●●●

از: محمد حاطب وحید

سانحہ ارتحال

فقیہ عصر، محقق زمانہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحبؒ

www.darultaqwa.org

دو دن قبل جب میں جامعۃ العلوم الاٰسلامیہ علامہ بنوری ٹاون کراچی کی مسجد میں نماز مغرب پڑھ کر فارغ ہوا تو امام صاحب نے حضرت مفتی صاحب کی صحت یابی کیلیے دعاء فرمائی اور جب آج نماز ظہر کے بعد مسجد سے باہر نکل کر دارالافتاء کی طرف جاہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف سے ایک عزیز دوست نے افسوسناک خبر سنائی کہ حضرت مفتی صاحب انتقال فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ان للہ مااخذ ولہ مااعطی و کل شیئ عندہ لاجل مسمی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی رحلت سے پوری امت مسلمہ بالخصوص اہل علم کا طبقہ ایک عظیم سرمایہ سے محروم ہوگیا ہے۔آپ کی وفات کی اندوہناک خبر سن کر مسلسل حضرت شاہ نفیس صاحب رحمہ اللہ کا یہ شعر دل ودماغ میں گردش کررہا ہے۔

اٹھا سائبان شفقت بڑی تیز دھوپ دیکھی
کوئی ہم نفس نہیں ہے غم جاں کسے سنائیں

آپ کا شمار ملک و بیرون ملک کے کبار مفتیان کرام اور محققین عظام میں ہوتا ہے۔آپ جہاں عظیم مفتی اور محقق تھے وہیں کہنہ مشق مدرس اور درجنوں کتب کے مصنف بھی تھے۔آپ باوجود شدید علالت کے

اخیر عمر تک درس وتدریس کے مبارک مشغلہ سے وابستہ رہے۔ ہزاروں تشنگان علم نے آپ کے چشمہ علم سے سیرابی پائی اور علم دین کی اشاعت میں مصروف ہوکر آپ کے لیے ذخیرہ آخرت بنے۔ پڑھنا پڑھانا تو آپ کا خاص ذوق تھا۔ کچھ عرصہ قبل جب آپ صاحب فراش تھے آپ کی خدمت میں ایک دوست کے ہمراہ حاضری ہوئی، مرض کی شدت کی وجہ سے ضعف بھی بہت تھا اور یادداشت بھی کافی کمزور ہوچکی تھی۔ ہمارے رفیق نے حضرت سے عرض کیا: "حضرت! آپ کو اللہ پاک شفاء دیں! ہمیں آپ سے پڑھنا ہے، آپ ہمیں پڑھائیں گے نا؟ آپ نے (غنودگی کی حالت میں) شفقت بھرے انداز میں جواباً ارشاد فرمایا" کیوں نھیں! کیوں نھیں! جو بھی طلب لے کر آئے گا اسے ضرور پڑھائیں گے" دورہ حدیث شریف اور افتاء کے اسباق مسلسل آپ کے زیر درس رہے۔ اسی طرح آپ کے قلم سے علمی وتحقیقی موضوعات پر چھوٹی، بڑی کتب ورسائل اور مقالات نکل کر اہل علم اور عوام کیلیے رہنمائی اور دین کے فہم کا ذریعہ بنے۔ اللہ تعالی نے آپ سے تحریر کے میدان میں خوب کام لیا۔ آپ تو موفق بالقلم تھے۔ تحریری کام کے متعلق آپ اپنا خواب بیان فرماتے ہیں:

"میں نے جوانی میں دو خواب دیکھے تھے، ایک یہ کہ الماری کی پوری طاق کئی جلدوں پر مشتمل کفایہ نامی فقہ کی کتاب سے بھری ہوئی ہے، اس خواب کا کچھ نہ کچھ مطلب تو مجھے سمجھ میں آ گیا۔ دوسرا خواب یہ دیکھا کہ ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کرسی پر تشریف فرما ہیں اور لوگ آپ کے گرد ہجوم کیے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے آپ کی زیارت نہ ہوسکی، کچھ ہی فاصلہ پر کافروں اور مسلمانوں کی تلوار سے جنگ جاری ہے، میری طبیعت میں کچھ بزدلی سی آئی لیکن پھر اپنے آپ کو سنبھالا کہ ہمت کرنی چاہئے، پھر لڑائی کیلیے تیار ہوا تو اچانک لڑائی ختم ہوگئی، کچھ عرصہ کے بعد یہ خواب حضرت اقدس شاہ صاحب (قطب الارشاد سید نفیس الحسینی صاحب قدس سرہ) کی خدمت میں حاضر ہوکر سنائے تو شاہ صاحبؒ نے اس کی تعبیر کے طور پر یہ فرمایا کہ "تحریری کام کرو"۔

آپ کا وجود فتنوں کے خلاف سد سکندری تھا۔ آپ کا شمار امت کی ان چنیدہ، برگزیدہ عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی ساری زندگی فتنوں کے تعاقب اور سرکوبی میں گزری، آپ نے کسی لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر محض للہ فی اللہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ آپ ہی کی برکت سے مجھ جیسے کتنے ہی بندگان خدا کو بے راہ روی کی دلدل سے نکل کر راہ حق کی شاہراہ پر چلنا نصیب ہوا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

مشکوہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے جس کا مفہوم ہے: " آخیر زمانہ میں ایسے

لوگ آئیں گے جن کیلیے پچھلوں (صحابہ جیسا) اجر ہوگا۔ ان کے تین عمل ہوں گے۔ 1۔امر بالمعروف 2۔نھی عن المنکر اور تیسرا عمل ان کا یہ ہوگا یقاتلون اھل الفتن۔یعنی اھل فتن سے قتال کریں گے۔محشی رحمہ اللہ نے حاشیہ میں قتال کی ایک صورت قتال بالقلم سے بیان فرمائی ہے۔فی زمانہ خود کو اور امت کو فتنہ سے بچانا ہاتھ پر انگارے رکھنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں گونا گوں صفات ودیعت فرمائیں تھیں۔آپ تقوی، اخلاص وللّٰہیت، اتباع سنت، حلم ووقار، سادگی، تواضع وعاجزی جیسی صفات سے متصف تھے۔راقم ایک دفعہ لاہور میں ایک عظیم صاحب نسبت بزرگ کی خدمت میں حاضر تھا مفتی صاحب کے حوالہ سے تعارف ہوا، فرمانے لگے "مفتی صاحب بہت متقی انسان ہیں، اجتماعی ذکر کا اختلاف اپنی جگہ لیکن مفتی صاحب جیسی صاحب متقی شخصیت میں نے نہیں دیکھی" (مسلسل یہی فرماتے جاتے)۔پھر فرمایا: "میرا دل چاہتا ہے کہ انکے حلقہ درس میں شرکت کرکے شرف تلمذ حاصل کروں"۔پھر مجھے فرمایا: "کہ میرے لیے مفتی صاحب سے اجازت حاصل کریں کہ میں ان کے مسلم شریف کے سبق میں ایک دن شرکت کرلیا کروں"۔

اسی طرح باہمی محبت کا ایک واقعہ ذہن میں آیا وہ یہ کہ مولانا عبدالحفیظ مکیؒ مفتی صاحب کا بے حد احترام فرمایا کرتے تھے، مکی صاحب کے ایک خادم نے مجھے بتایا کہ ہم ایک نکاح کی مجلس میں تھے تو وہاں مفتی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے، واپسی پر میں نے حضرت مکی صاحب کو بتلایا کہ حضرت! اس نکاح میں مفتی صاحب بھی تشریف لائے ہوئے تھے، تو حضرت نے مجھے ڈانٹا کہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ مجھے مفتی صاحب کی موجودگی کا علم ہوتا تو میں خود چل کر ان کے پاس جاتا اور مفتی صاحب سے گلے ملتا اور انکی پیشانی کا بوسہ لیتا۔بندہ نے ایک مرتبہ اپنے استاد محترم مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم سے استفسار کیا (اس وقت راقم سکول میں پڑھتا تھا) حضرت! بہت سے مسائل میں مفتیان کرام کی آراء مختلف سننے میں آتی ہیں تو کس کے فتویٰ پر عمل کیا کریں؟ سمجھ نھیں آتی، تو جواب میں حضرت نے فرمایا: "تم مفتی عبدالواحد صاحب کے فتوی پر عمل کیا کرو"۔حضرت مفتی صاحب کی پہلی زیارت کے وقت ہی قلب میں آپ کی محبت وعقیدت پیوست ہوگئی، جو وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مزید سے مزید تر ہوتی گئی۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپکی قبر کو روشن ومنور فرمائے۔سارے عالم میں آپ کا فیض جاری و ساری فرمائے اور ہمیں آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین بجاہ النبی المرسلین ﷺ

• • •

دارالافتاء والتحقیق

آپ کے مسائل کا حل

www.darultaqwa.org

ادھار بیچنے کی صورت میں قیمت میں اضافہ کرنا

آج کل کھاد کی بوری 2000 روپے میں آتی ہے، کچھ لوگ ادھار پر اس طرح دیتے ہیں کہ 6 ماہ بعد 2500 روپے لیں گے۔ کیا ایسی صورت سود کے زمرے میں آتی ہے؟

جواب:

2000 کی کھاد کی بوری، 2500 روپے ادھار پر بیچنا جائز ہے بشرطیکہ ادائیگی کی مدت متعین ہو اور بروقت ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں اضافی جرمانہ وغیرہ نہ لگایا جائے۔

ٹوکن والے پینٹ کی خرید وفروخت

1۔ٹوکن والے پینٹ کی خرید وفروخت کا کیا حکم ہے؟ کیونکہ اگر ٹوکن نہ ہو یا تو قیمت کم ہوگی یا کوالٹی بہتر نہ ہوگی۔

2۔ٹوکن والے پینٹ کی کوالٹی اور قیمت کے بارے میں گاہک کو پتا نہیں ہوتا، لیکن کاریگر کو پتا ہوتا ہے، اگر گاہک کو اس کے بارے میں بتا دیا جائے تو یقیناً وہ ٹوکن والا پینٹ نہ لے، دکاندار کے لیے ایسا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

2-1۔ یہ ناجائز کام میں تعاون ہے، اس لیے دکاندار پرہیز کرے۔

سوال: بعض پینٹ ایسے ہوتے ہیں کہ کمپنی اس میں ٹوکن نہیں ڈالتی لیکن کاریگر کو رغبت کے لیے دکاندار کی طرف سے اس میں اپنے نفع میں سے کچھ کا ٹوکن ڈال دیا جائے تو کیسا ہے؟ کیونکہ آج کل پینٹ کا کاروبار ٹوکن کے بغیر تقریباً ناممکن ہے۔

جواب:

کاریگر کے لیے دکاندار کی طرف سے مذکورہ ٹوکن یا کمیشن رشوت ہے۔

سوال: پلمبر یا کسی بھی کاریگر کو دکاندار اپنے نفع میں سے کمیشن دیتا ہے، جبکہ چیز کی قیمت عام بازاری ہوتی ہے، یہ کمیشن دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

کاریگر کے لیے دکاندار کی طرف سے مذکورہ ٹوکن یا کمیشن رشوت ہے۔

دس لاکھ کی خریدار پر کمپنی کا موٹر سائیکل دینا

سوال: کمپنی بسا اوقات ایک سکیم نکالتی ہے مثلاً دس لاکھ کا سامان لیں اس پر موٹر سائیکل یا کوئی اور چیز دی جائے گی۔ ایسی چیز لینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:

اگر یہ شرط ہو کہ یکمشت دس لاکھ روپے میں سودا کر کے سامان اور موٹر سائیکل لے لیں تو جائز ہے۔

کاریگر کے پاس بچے ہوئے سامان کی واپسی

سوال: بسا اوقات خریدار کافی زیادہ سامان لے کر جاتا ہے اور اس سامان میں سے کچھ بچ جاتا ہے جو کہ کاریگر واپس کرنے کے لیے لے کر آتا ہے اور ہمیں شک ہوتا ہے کہ یہ سامان مالک سے پوچھے بغیر لے کر آیا ہے تو ایسے سامان کو واپس لینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب:

جب غالب گمان ہو کہ کاریگر یہ سامان بغیر اجازت کے لایا ہے یعنی چوری کا ہے تو اس سے سامان واپس نہ لیں اور اصل گاہک کو ساتھ لانے کا تقاضا کریں۔

دکاندار کا اپنے ملازمین اور کاریگروں کے لیے کمپنی سے عید بونس لینا

سوال: عید کے موقع پر اپنے ملازموں اور کاریگر کے لیے کمپنی سے عید بونس لیا جاتا ہے، جو کہ دکاندار کمپنی کو کہہ کر لیتا ہے، ایسا بونس لینا اور آگے دینا کیسا ہے؟

جواب:

اگر کمپنی خوشی سے دیتی ہے تو جائز ہے اور اگر بے دلی سے دیتی ہے، تو جائز نہیں۔

نفع کی حد بندی

شرعاً نفع کی کوئی حد اور فیصد مقرر ہے یا نہیں؟

جواب: دکاندار نفع طے کرنے میں انسانی اور اسلامی ہمدردی کو پیشِ نظر رکھے۔

غبن فاحش کی وجہ سے کمپنی کی رقم روکنا

بعض کمپنیوں سے معاملات ہوتے ہیں اور اس دوران 6-7 سال کا عرصہ گذر جاتا ہے بعد میں پتا لگتا ہے کہ انہوں نے بازار سے زیادہ ریٹ لگایا تھا، لیکن اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد نقصان کا اندازہ لگانا مشکل ہے تو اس مد میں اگر ہم کمپنی کے کچھ روپے روک لیں تو یہ روپے ہمارے لیے جائز ہوں گے یا نہیں؟

جواب:

جب کمپنی نے کسی دکاندار کو اتنا زیادہ ریٹ لگایا ہو کہ جو وہ کسی اور کو نہیں لگاتی تو علم ہونے پر دکاندار کمپنی کو مال واپس کر کے اپنے پیسے واپس لے سکتا ہے، لیکن مال رکھ کر پیسے کم دینا بغیر کمپنی کی رضا مندی کے درست نہیں ہے، اس صورت میں پورے پیسے دینے پڑیں گے۔

● ● ●

عبدالودود ربانی

جامعہ کے شب وروز

☆ پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ دارالتقویٰ لاہور کے زیر اہتمام عازمین حج کی تربیت کے لئے لاہور، شیخوپورہ اور قصور شہر کے مختلف مقامات پر سیمینارز کے انعقاد کا سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلے کا پہلا سیمینار 16 جون بروز اتوار مرکزی شاخ جامعہ دارالتقویٰ واقع الہلال مسجد چوبرجی پارک لاہور میں اور دوسرا پروگرام 30 جون بروز اتوار جامع مسجد الہلال چوبرجی میں ہوا دونوں سیمینارز میں کثیر تعداد میں حضرات وخواتین نے شرکت کی۔

☆ اس سلسلے کا تیسرا سیمینار 7 جولائی بروز اتوار بمقام جامع مسجد خاتونِ جنت بالمقابل گورمے بیکری شہباز روڈ قصور میں صبح 10 بجے تا ظہر اور چوتھا پروگرام 7 جولائی ہی کو بمقام D/272 پی اے ایف کالونی ضرار شہید روڈ صدر کینٹ لاہور میں ظہر تا عصر ہونا قرار پایا ہے۔ اسی طرح 14 جولائی بروز اتوار کو دو سیمینار ہوں گے۔ ایک مدرسہ فاطمۃ الزہراء للبنات 70 سول لائن انور روڈ نزد سٹی سکول شیخوپورہ میں بوقت صبح 10.30 تا 1 بجے اور دوسرا جامع مسجد ابوبکر اے بلاک ازمیر ٹاؤن لاہور میں بوقت ظہر تا عصر منعقد ہوگا۔ ادارہ ہذا کے مستند، تجربہ کار اور تربیت یافتہ اساتذہ ومفتیان کرام پروجیکٹر کی مدد سے حج کے احکام، مناسک حج کی ادائیگی اور طریقۂ کار پر سیر حاصل لیکچر دیں گے۔ حج کے مبارک سفر پر جانے والی خواتین بھی ان تربیتی سیمینارز سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ مستورات کے لئے پردے کا انتظام ہوگا۔

☆ جامعہ ہذا کے سالانہ نتائج کی تقریب 7 جولائی بروز اتوار الہلال مسجد چوبرجی میں منعقد ہوگی جس میں تمام بنین کے اساتذہ وطلبہ اور ان کے والدین شرکت کریں گے۔

☆ شوال مدارس میں نئے داخلوں کا مہینہ ہوتا ہے۔ جامعہ دارالتقویٰ میں امسال ماضی کے برعکس

کثیر تعداد میں طلباء وطالبات نے داخلے کے لئے رجوع کیا۔ جامعہ اور اس سے ملحق شاخوں میں شعبہ حفظ اور کتب میں ہونے والے نئے داخلوں کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

☆ جامعہ کے زیر اہتمام میٹرک کے امتحان سے فارغ ہونے والے طلبہ وطالبات اور حضرات و خواتین کو لازمی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے سمر کیمپ لگایا گیا ہے جس کا آغاز 24 جون سے ہو چکا ہے اور تیرہ اگست تک جاری رہے گا۔ اوقات صبح 30۔9 تا 1 بجے تک ہیں۔ خواہش مند طلبہ وطالبات اور حضرات وخواتین اپنی قریبی شاخ یا مرکزی دفتر چوبرجی سے رابطہ کر کے معلومات لے سکتے ہیں۔

☆ سالانہ تعطیلات کے بعد ادارہ اور اس سے ملحق تمام بنین و بنات میں تعلیمی سلسلہ مورخہ 17 جون بمطابق 13 شوال بروز پیر سے دوبارہ شروع ہو چکا ہے۔

☆ جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا اویس احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ 3 ماہ کے تبلیغی سفر پر انگلیڈ گئے ہوئے تھے۔ الحمدللہ بخیر وعافیت واپس آچکے ہیں۔

☆ جامعہ کے نائب مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب مدظلہ حج کی جماعت کے ساتھ 2 ماہ کے لئے سعودی عرب روانہ ہوگئے ہیں۔ اللہ کریم حضرات کے اسفار کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

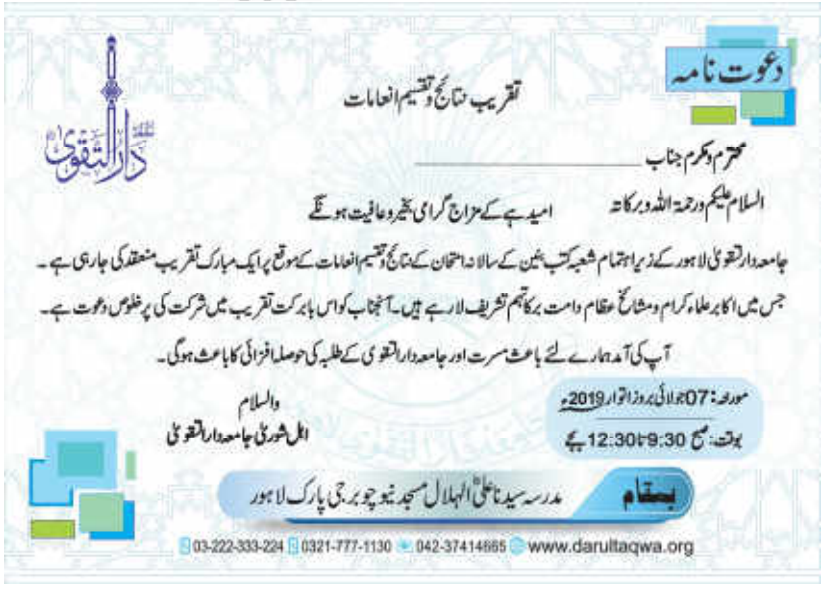

قارئین کرام کے نام!

بحمد اللہ تعالیٰ ''ماہنامہ دارالتقویٰ'' مسلسل اشاعت کی چھ بہاریں دیکھ چکا ہے۔آپ حضرات کی طرف سے ''ماہنامے'' کی ترویج وترقی کیلئے دعاؤں کے ساتھ ساتھ بھرپور عملی تعاون پر ادارہ آپ کا ممنون ہے اور پُر امید ہے کہ آپ پہلے سے بڑھ کر اپنے حلقہ احباب اور اعزہ واقرباء کو ترغیب کے ذریعے ''ماہنامہ'' کے مستقل قاری بنانے کی کوشش جاری رکھے ہوئے ہوں گے۔آپ کا یہ عمل' خیر کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ بن کر ''وتعاونوا علی البر والتقویٰ'' اور ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' پر ملنے والے اجر وجزا کا سبب ہوگا۔ان شاءاللہ۔آپ ایک سے زائد رسالے جاری کروا کر اپنے مرحوم والدین، رشتہ دار، اساتذہ اور جملہ مرحومین کے ایصال ثواب کا مستقل بندوبست فرما سکتے ہیں۔

ہماری روز اول سے یہ کوشش رہی ہے کہ رسالے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنایا جائے، جو مواد منتخب کیا جائے وہ مستند ہونے کے ساتھ ساتھ قارئین کی دنیا وعقبیٰ کے لئے نافع بھی ہو اور عمل پر بھی اُبھارے۔اس معیار کو مزید بہتر بنانے کے لئے ادارہ آپ کی مفید وقابل عمل تجاویز کا خیر مقدم کرے گا آپ اپنی تجاویز ہمیں درج ذیل پتہ پر بھیج سکتے ہیں۔

دفتر ماہنامہ دارالتقویٰ الہلال مسجد چوبرجی پارک لاہور
03005553616

email;monthlydarultaqwa@gmail.com

ہر فرد کے لئے

ہر گھر کے لئے

ہر ماہ باقاعدگی سے
شائع ہونے والا تربیتی
اصلاحی وتبلیغی رسالہ

کاروباری وتاجر حضرات اپنے کاروبار اور مصنوعات
کی مؤثر تشہیر کے لئے ''دارالتقویٰ'' کا انتخاب کریں

- آپ کے کاروبار کی مؤثر تشہیر بھی۔۔۔
- اور باعث اجر وثواب بھی۔۔۔
- آج ہی اپنی کاپی بک کرائیں۔

برائے رابطہ:03005553616

ماہنامہ دارالتقویٰ لاہور

جامعہ دارالتقویٰ کے زیر اہتمام

میٹرک سے فارغ طالبات اور دیگر مستورات کیلئے

سمر کیمپ

دین کا بنیادی علم ہر مسلمان عورت کی اہم و بنیادی ضرورت ہے۔
فرقہ واریت سے پاک ماحول میں علم دین حاصل کرنے کیلئے اس کورس میں ضرور شرکت فرمائیں۔

کورس کا دورانیہ
24 جون تا 13 اگست 2019ء
صبح 9:00 تا 1:30 بجے دوپہر
تعطیل بروز جمعہ

مدت کورس ڈیڑھ ماہ

تمام شاخوں میں داخلے جاری ہیں

نصابِ تعلیم:

1، بنیادی دینی عقائد
2، ترجمہ و تفسیر قرآن
3، تجوید کے ساتھ قرآنِ مجید
4، روزمرہ پیش آنے والے مسائل کا شرعی حل

مدرسہ فاطمۃ الزہراء
26 ۔ بدر بلاک اقبال ٹاؤن لاہور
فون: 042-37814488, 0323-4898592

منجانب: شعبہ نشرواشاعت (جامعہ دارالتقوی مرکزی دفتر: متصل جامع مسجد الہلال، چوبرجی پارک، لاہور
+923222333224 darultaqwa.online@gmail.com ifta4u@yahoo.com
www.darultaqwa.org /jamiadarultaqwa Mufti Online:+923004113082

عین آرٹ